ہفت روزہ

الفتح

کراچی

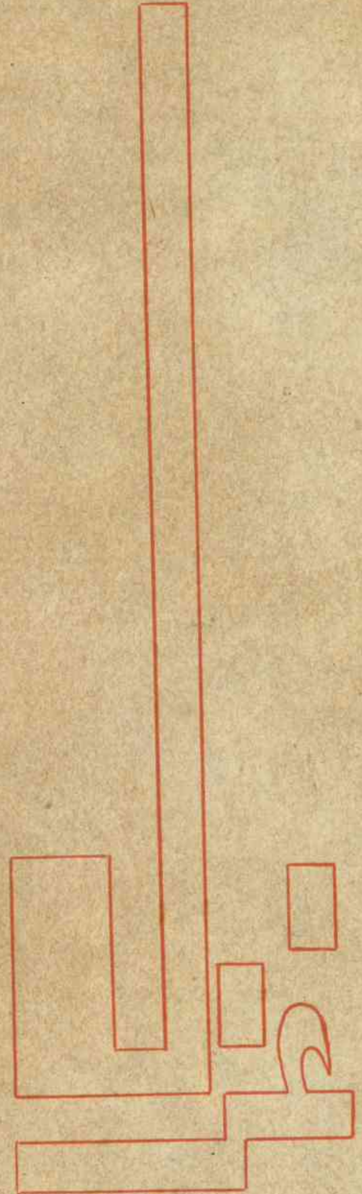


چین

مسکراہٹ اور اعتماد

پیکنگ میں ۴۸ گھنٹے
اندر ملاحظہ کیجئے

فارغ بخاری



کتنا بدنام یہ پیرایۂ اظہار ہوا
میں تو ہر دور میں سچ کہہ کے گنہگار ہوا

ہم نے تو تیرے اصولوں کی پرستش کی تھی
تو بھی اب ہم سے عبادت کا طلبگار ہوا

وُہی بت تیرے حرم میں بھی نظر آتے ہیں
دیکھ کر جن کو یہ دل دَیر سے بیزار ہوا

مصلحت کاری کے آداب پہ مرنے والو
کب کوئی اہلِ خرد واقفِ اسرار ہوا

عہدِ ماضی کا گلہ کیا ہو جہاں پر اب بھی
وُہی فنکار ہے جو آئینہ بردار ہوا !

خار سے کیا ہو شکایت کہ سوئے قسمت سے
اب گُلِ تر بھی ہمارے لئے تلوار ہوا

میں ہمیشہ ہی سرِ دار رہا ہوں فارغ
دہر میرے لئے چنگیز کا دربار ہوا

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد : ۲ — شمارہ : ۴۴

۱۶ – ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء

خاص مضامین

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ، ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ

مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

ٹیلیفون : — ۴۱۲۲۷۴

اداریہ

نوکر شاہی کا تیسرا سرجیکل آپریشن

صدر بھٹو نے اتوار ۱۲، مارچ کو نوکر شاہی کا سب سے بڑا سرجیکل آپریشن کیا ہے۔ مختلف عہدوں پر فائز اعلیٰ حکام کی اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے نہیں نکالی گئی۔ ایوب اور یحییٰ نے اگرچہ اتنک شوئی کے طور پر چند سینکڑے افسر ٹھکانے لگائے تھے۔ بھٹو صاحب نے ان دونوں کی مشترکہ تعداد سے دگنے سے بھی زیادہ حکام کو بدعنوان اور نااہل قرار دیا ہے۔

نوکر شاہی پر اتنی بڑی ضرب کا عوام میں خیر مقدم کیا جائے گا۔ وقتی طور پر دفاتر میں سکون اور عوام کے لئے کسی حد تک سُرخ فیتے سے بچاؤ کا موقع بھی نکل آئے گا لیکن اِس بات کی ضمانت نظر نہیں آتی کہ یہ لعنت ختم ہو جائے گی۔ ایوب خان نے جب یہ عمل کیا تھا تو بہت چرچا ہوا عوام خوش بھی ہوئے۔ افسروں کا رویہ بھی بدلا لیکن یحییٰ خان کو ۳۰۳ بدعنوان افسروں کو نکالنا پڑا اور اس کے بعد تین سال میں ان کی تعداد تیرہ سو سے بڑھ گئی۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ نیا سربراہ مملکت کن وجوہات کی بنا پر نوکر شاہی کا آپریشن کرتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ایوب اور یحییٰ خان نے جن افسروں کو سبکدوش کیا، وہ محاسبے سے صاف بچ گئے۔ لوٹ مار کرنے، رشوت کھانے اور قومی سرمائے کو باپ دادا کی جاگیر سمجھنے والوں کو صرف اعلیٰ عہدوں سے ہٹایا گیا۔ لیکن ان کا وہ سرمایہ بحق قوم اور ملک ضبط نہیں کیا گیا جو ناجائز طور پر حاصل کیا گیا تھا۔ ایک طرح حکومت نے اس لوٹ مار کو جائز قرار دے دیا اور ان کی جگہوں پر دوسرے لٹیرے بٹھا دیئے گئے۔ نئے افسر دراصل اپنے پیش رو حضرات کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ بخوبی واقف تھے کہ کسی نے ہاتھ ڈالا تو زیادہ سے زیادہ نوکری جائے گی۔ لہٰذا یہ پتہ نہیں کہ کون کتنی دیر ملک کے اقتدار پر قابض رہتا ہے اور کب نیا آنے والا اپنے پیش رو کی اس عظیم روایت کو دہرائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ جو سامنے آئے، جو اختیار میں ہو اور جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچ سکیں اُس پر قبضہ کر لیا جائے۔ لوٹ مار کھل کر کی جائے۔ جو اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ اُسے بند کر دیا جائے۔

ایوب خان اور یحییٰ خان بدعنوان سرکاری افسروں کی جائیدادیں ضبط کر لیتے، انہیں کوڑوں کی سزائیں دیتے اور سرِعام رسوا کرتے تو صدر بھٹو کو تیرہ سو اعلیٰ سرکاری افسروں کو ریٹائر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ایوب خان اور یحییٰ خان نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس کا سیدھا اور سادا جواب یہ ہے کہ دونوں حکمران جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو بچانے کے لئے مارشل لاء کی آڑ میں قوم پر مسلط ہوئے تھے۔ انہوں نے انتہائی مکاری اور عیاری سے صرف عوام کی خوش حالی اور ملک و قوم کی حفاظت کے لئے مارشل لاء کے ذریعے حکمرانی کا ڈھونگ رچایا تھا۔ یہ حکمران جیسا کہ بعد میں عمل سے ثابت ہوا جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ تھے۔ سو نوکر شاہی بھی کوئی الگ طبقہ نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام رائج ہے۔ اُس میں وہ اُن کی ایجنٹ ہے۔ یوں یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایوب، یحییٰ اور نوکر شاہی دراصل ایک ہی رشتے سے منسلک تھے۔ ان کا طبقاتی مفاد جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے وابستہ تھا لہٰذا انہوں نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی نہ کی بلکہ عوام کا منہ بند کرنے کے لئے نوکر شاہی کے چہرے بدل دیئے ہیں۔

تاحال صدر بھٹو نے جن تیرہ سو افسروں کو وقت سے پہلے ریٹائر کیا ہے اُن کے بارے میں ابھی تک ایوب خان اور یحییٰ خان کی پالیسی نظر آ رہی ہے۔ اُن کی ناجائز آمدنی سے تعمیر ہونے والے بنگلوں، کاروں اور بنک بیلنسوں کو ضبط کرنے کا کوئی حکم صادر نہیں ہوا۔

عوام نے فوجی آمریت کے مقابلے میں بھٹو صاحب پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس کا بنیادی جذبہ یہ ہے کہ ڈکٹیٹروں کا ہر فعل عوام کی حکمرانی کے منافی اور اُن کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف تھا۔ وہ بھٹو صاحب کو ان کے نقش قدم

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں







روس درۂ خیبر سے واہگہ تک

آزادانہ آمدورفت چاہتا ہے

اے روس جانے والے ——!!!

"واقفِ حال" کے قلم سے

صدر بھٹو ۱۶ مارچ کو روس جا رہے ہیں۔ پاک بھارت جنگ، مشرقی پاکستان پر بھارت کے قبضے، روس کے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لینے، صدر بھٹو کے دورۂ چین، چین امریکہ کے مشترکہ اعلامیے، شیخ مجیب الرحمٰن کے دورۂ ماسکو اور پاکستانی جنگی قیدیوں پر بھارت کی فائرنگ کے بعد صدر بھٹو کا ماسکو کا دورہ نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ صدر بھٹو ایسے پہلے ملک کا دورہ کر رہے ہیں جو بنگلہ دیش کو تسلیم کر چکا ہے اور تین عالمی طاقتوں میں سے ایک ہے اور جس نے پاکستان کے دشمن نمبر ایک سے فوجی معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اور جس کی شہ پر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا۔ ان تمام حقائق اور واقعات کی موجودگی میں ماسکو کا دورہ وسوسوں، خدشوں اور خطروں کے جلو میں ہوگا۔ مسٹر بھٹو خارجی معاملات میں عبور رکھتے ہیں۔ انہیں ماسکو کے دورے پر گذشتہ ماہ جانا تھا۔ لیکن بوجوہ انہوں نے یہ دورہ عین وقت پر ملتوی کر دیا تھا۔ کچھ اندرونی حالات مناسب نہ تھے۔ اور دوسرے ماسکو اور نئی دہلی کی ملی بھگت یہ تھی کہ پہلے شیخ مجیب ماسکو کا دورہ کر لیں، پھر صدر بھٹو جائیں۔ اس عرصے کو صدر بھٹو نے معقول جمہوری رویہ اختیار کر کے اندرونی کشیدگی دور کرنے کے لئے استعمال کر لیا اور نیپ اور جمعیت علمائے اسلام سے سمجھوتہ کر لیا۔ اس میں باتیں تو وہی طے ہوئی ہیں جو بھٹو صاحب نے پہلے سے طے کر رکھی تھیں یا پیپلز پارٹی نے پہلے سے طے کر رکھی تھیں۔ بس اِن کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ نیشنل عوامی پارٹی کو پہلے مارشل لاء کے ایک روز رہنے پر بھی اعتراض کیوں تھا اور اب وہ ۱۴ اگست تک اس کے جاری رہنے پر کیوں آمادہ ہو گئی۔ آخر وہ ایسی کونسی خوفناک وجوہات ہیں کہ جن کے سبب مارشل لاء اب ۱۴ اگست تک جاری رہ سکتا ہے حالانکہ نیپ کے نزدیک مارشل لاء کا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی جواز نہیں تھا۔

اس معاہدے کے بعد اب صدر بھٹو سیاسی طور پر اور مضبوط ہو گئے ہیں۔ سرحد اور بلوچستان میں پیدا کی جانے والی کشیدگی بظاہر ختم ہو گئی ہے اب صدر بھٹو زیادہ اطمینان کے

نیشنل عوامی پارٹی کو مارشل لا میں کونسی نیک بات نظر آگئی



ساتھ ماسکو جائیں گے اور اُن سے زیادہ اعتماد کے ساتھ بات کریں گے۔ روس جواب ہمارے اندرونی معاملات میں کھُلم کھُلا مداخلت کرلیتا ہے وہ بھی اب مذاکرات میں یہ نہیں کہہ سکے گا کہ آپ کے تو اندرونی حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ اور سرحد و بلوچستان کی اکثریتی جماعتیں آپ سے متفق نہیں ہیں۔ ایک رکاوٹ صدر بھٹو نے پہلے ہی دُور کرلی ہے۔ ہمیں اسلام آباد کے انتہائی معتبر ذرائع سے گذشتہ ماہ کے تیسرے ہفتے میں معلوم ہُوا تھا کہ روس بھارت اور پاکستان کے درمیان امن کے مذاکرات کو پسند نہیں کرتا۔ چین امریکہ کے مشترکہ اعلامیہ کے بعد روس اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں پاتا کہ وہ بھارت پر براہِ راست زور ڈال سکے کہ وہ پاکستان سے مذاکرات کرنے میں حیل وحجت سے کام لے یا بات چیت نہ کرے۔ کیونکہ اب بھارت خود بھی ایک بڑی طاقت بن گیا ہے۔ اس لئے روس نے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ وہ اپنے پروردہ عناصر کے ذریعے پاکستان میں ایسے حالات پیدا کئے رکھے کہ یہاں کشیدگی برقرار رہے اور پاکستان مذاکرات کرنے کے قابل نہ ہوسکے۔ صدر بھٹو نے اور نیپ کے ایک گروپ نے روس کی اس حکمت عملی کو ناکام بنادیا اور نیپ کو معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تیار کرلیا۔ نیپ اس وقت واضح طور پر تین گروپوں میں بٹ چکی ہے۔ ایک روس نواز ہے اور دوسرا امریکہ نواز۔ ایک اقتدار پرست ہے۔ روس نواز گروپ میں نیپ کے سربراہ ہیں اور بلوچستان کے خیر بخش مری۔ امریکہ نواز گروپ کو غوث بخش بزنجو کی قیادت حاصل ہے۔ ان کا امریکی حکمتِ عملی سے تعلق ہارون برادرز کے ذریعے بھی ہے۔ اقتدار پرست گروہ میں ارباب سکندر وغیرہ شامل ہیں۔

ارباب سکندر تو بھٹو صاحب کی طرف سے درخواست کی پیشکش پر وزارت کے لئے تیار ہوگئے تھے مگر خیر بخش مری نے یہ مسئلہ ایگزیکٹو کے سامنے پیش کردیا۔ ادھر غوث بخش بزنجو بھی اپنے گروپ کے برسرِ اقتدار نہ آسکنے کی وجہ سے پریشان ہُوئے اور انہوں نے نیپ کے کسی بھی فرد کو وزارت میں نہ جانے دیا۔ اب جب کشیدگی زیادہ بڑھنے لگی، حالات دُوسری سمت جانے لگے تو غوث بخش بزنجو نے اپنے گروپ کو سامنے لانے کے لئے ایک بار پھر مذاکرات کی طرح ڈالی۔ اب اِن مذاکرات کے بعد خیر بخش مری گروپ پیچھے چلا جائے گا۔ سُنا ہے مری صاحب ویسے بھی اس معاہدے سے ناراض ہیں۔ اس لئے اس معاہدے کے جواز کیلئے بزنجو اور ولی خان تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔ مری صاحب کچھ نہیں بولے ہیں۔ ارباب سکندر اس بات پر پھُولے نہیں سماتے ہیں کہ اُنھیں بھٹو صاحب ماسکو لے جارہے ہیں۔ سردار اکبر بگٹی اپنا ایک الگ رول ادا کررہے ہیں۔ وہ اپنے دو ووٹوں کو بغل میں دبائے بھٹو صاحب سے بلوچستان

بزنجو نے

مذاکرات کروائے

اور مری مذاکرات

سے ناخوش

کی گورنری کا سودا کررہے ہیں۔ ممکن ہے کہ نیپ اپنے مستقبل کی حفاظت کے لئے اِن کی تقرری پر آمادہ ہوجاتے۔

یہ تو نیپ کی صورتِ حال ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرحد اور بلوچستان دونوں جگہ گورنر راج کے زیادہ امکانات رہیں گے کیونکہ یہاں کسی ایک پارٹی کی واضح اکثریت نہیں ہے۔ نیپ اور جمعیت علمائے اسلام وقتی طور پر اگرچہ متحد ہوگئی ہیں لیکن اِن کے اختلافات بہت وسیع ہیں۔ انھیں پاٹنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ایک مذہبی پارٹی ہے، دوسری سیکولر، کب تک ان کی ڈور ملی رہے گی۔ پھر دو جماعتی اکثریت بھی واضح اکثریت نہیں ہے۔ اس لئے معاملہ نازک ہی رہے گا۔ دونوں صوبوں میں دوبارہ انتخابات کے امکانات زیادہ ہیں

ادھر روس کے عزائم یہ ہیں کہ اس نے ایشیائی تحفظ کی اسکیم چلائی ہُوئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ایران، افغانستان، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش آپس میں معاہدہ کریں۔ جس میں روس بھی شامل ہو۔ اس طرح یہ پورا علاقہ اپنی تجارت کے لئے مِل جائے۔ اسے اس طرح اپنی تجارت کے لئے سمندری راستہ بھی مِل جائے گا اور خشکی کا راستہ بھی۔ بحرِ عرب میں وہ بحرین تک آپہنچا ہے۔ آگے اُسے اب چٹاگانگ تک راستہ چاہیئے۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ اُسے مِل چکی ہے۔ اِدھر خشکی کے ذریعے وہ درۂ خیبر سے واہگہ تک کی سڑک کو اپنی آمد و رفت کے لئے مانگنا چاہتا ہے۔ اگر پاکستان ٹرانزٹ سے اس کے لئے تیار ہوجاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر روس کے پاس دُوسرے طریقے بھی ہیں

(۱) پاکستان اگر بھارت سے اپنے جنگی قیدی واپس چاہتا ہے۔

(۲) اپنے علاقے واپس لینا چاہتا ہے

(۳) آئندہ جارحیت کے خطرے سے محفوظ ہونا چاہتا ہے۔ تو اسے

۱- بنگلہ دیش، بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن میں جانا پڑے گا۔

۲- روس اور بھارت کو آمد و رفت کے لئے خشکی اور سمندر کے راستے دینے پڑیں گے۔

صدر بھٹو کو اِن سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ ایک ایسے ملک کے پاس جارہے ہیں۔ جو پاکستان کے وجود کو اپنی حکمتِ عملی میں ایک رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اس لئے براہِ راست یا بالواسطہ انداز سے اُسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں معلُوم ہے کہ بڑی طاقتوں پر نکتہ چینی ممنُوع ہے لیکن بڑی طاقتیں جو ہمارے درپے ہیں اُن کے عزائم سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ بہرحال اب صدر صاحب روس جارہے ہیں۔ واپس آئیں تو معلوم ہوگا کہ کیا دے کر آتے ہیں اور کیا لیکر آئے ہیں۔

اخباری
مشاورتی کونسل
وہی مدقوق چہرے

موجودہ حکومت نے پچھلی حکومتوں کی طرح اخبارات کو اگرچہ پریس ایڈوائس کا سلسلہ بند کر دیا ہے مگر اخباری مشاورتی کونسل اسی طرح بنائی گئی ہے۔ اس میں وہی پرانے چہرے پھر نظر آرہے ہیں جن کی عوام دشمنی مسلم ہے۔ جو گزشتہ چوبیس برس سے عوام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ پاکستان کو اقتصادی اور سیاسی طور پر پسماندہ رکھنے بوسیدہ نظام کو برقرار رکھنے اور عوام دوست طاقتوں کو کچلنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں میر خلیل الرحمٰن، مجید نظامی، ڈان گروپ، نیشنل پریس ٹرسٹ کے ایڈیٹران، روزنامہ جسارت اور جناب پیر علی محمد راشدی نے جو گندا کھیل کھیلا اور جس طرح عوام کو گمراہ کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے دماغوں میں جو گندگی موجود ہے وہ عوامی حکومت کے قیام سے صاف نہیں ہو گئی ہے۔ اب ان مدیران پر مشتمل پھر ایک اخباری مشاورتی کونسل بنائی گئی ہے جو صحافت کا "ضابطہ اخلاق" مرتب کرے گی ــــ ماشاءاللہ ــــ! گذشتہ چوبیس برس سے صحافت کے اخلاقیات کی دھجیاں بکھیرنے والے اب پھر ضابطۂ اخلاق بنائیں گے۔ اس سے پہلے انہوں نے جو ضابطہ اخلاق مرتب کیا تھا اس کے تحت انہوں نے عوامی رہنماؤں کے خلاف ہر طرح کا زہر اگلا اور آخر دم تک کوشش کی کہ عوام دوست رہنما آگے نہ آسکیں۔ اب عوامی حکومت اور وزیر اطلاعات و نشریات جناب کوثر نیازی بھی ان مدقوق ذہن لوگوں کے جلو میں بیٹھ کر صحافت کا ضابطہ اخلاق مرتب کریں گے۔

ہم ایسی مشاورتی کونسل کو بھی مسترد کرتے ہیں اور ان کی طرف سے بنائے ہوئے کسی ضابطۂ اخلاق کو بھی ہم قبول نہیں کر سکتے۔ مولانا کوثر نیازی جانتے ہیں کہ عوام دوست صحافی کون سے ہیں اور ان کا ضابطۂ اخلاق عوام مرتب کرتے ہیں سرکاری مشینری یا عوام کے ٹھکرائے ہوئے صحافی مرتب نہیں کرتے۔



ملاوٹ میں کس کا ہاتھ ہے

کے ایم سی کے انسپکٹر کو بھتہ بھی دینا پڑتا ہے

کراچی کے شہری خالص اور ناخالص کا فرق بھول گئے

منیر جہلمی

کراچی کے باشندے خالص اور ناخالص چیزوں کا فرق بھول گئے۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ دیکھ سکیں کہ جو چیز خرید رہے ہیں وہ خالص ہے یا ناخالص۔ بس خرید لیتے ہیں اور چل دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خالص کو ناخالص بنانے کی رسم زور پکڑ گئی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسم کب تک چلے گی، لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا ــــ اس سلسلے میں میری ملاقات ایک دودھ فروش سے ہوئی۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تم لوگ ملاوٹ شدہ دودھ کیوں فروخت کرتے ہو؟"
اس نے جواب دیا:

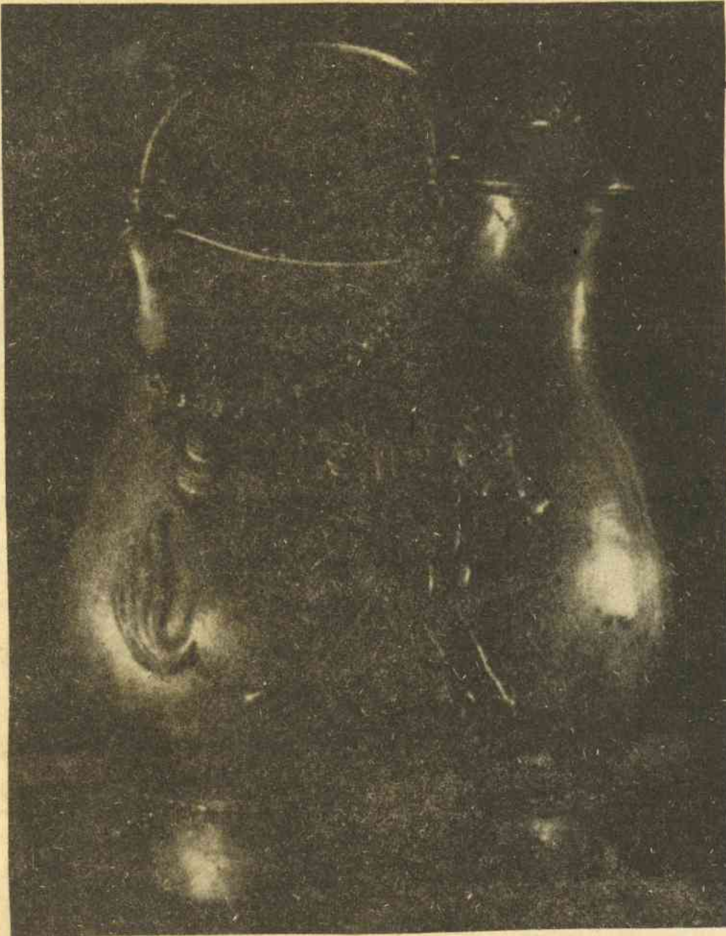
"ہمارے سامنے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم زیادہ سے زیادہ کمائیں۔ دوسرے یہ کہ ہمیں چند مجبوریاں ہوتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کراچی جیسا بڑا شہر جس کی آبادی ۴۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے اتنی بڑی آبادی کو خالص دودھ سپلائی کرنا ناممکن ہے۔ اگر ہم لوگوں کی خواہش کے مطابق ان کو ملاوٹ شدہ دودھ کی سپلائی بند کر دیں اور اس کی جگہ تازہ اور خالص دودھ تقسیم کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کراچی کی نصف آبادی دودھ سے محروم رہ جائے گی۔
دوسری وجہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہے۔

اس ملاوٹ شدہ دودھ کی فروخت سے ہم جو منافع حاصل کرتے ہیں اس میں کے ایم سی کے انسپکٹر بھی شریک ہوتے ہیں۔ ہر ماہ ان افسروں کی جیب گرم کرنی پڑتی ہے افسروں کی جیب گرم نہ کرنے کی صورت میں دودھ کا نمونہ لیا جاتا اور ملاوٹ کے الزام میں تین سو روپے سے لے کر پانچسو روپے تک دے کر گلو خلاصی کرانی پڑتی ہے۔

کچھ ایسا ہی حال کریانہ فروشوں کا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ خود ملاوٹ نہیں کرتے بلکہ تھوک فروشوں سے ملاوٹ شدہ اشیاء خریدتے ہیں۔ انسپکٹران سے ماہانہ بھتہ وصول کرتے ہیں۔ جو دکاندار رقم دینے سے انکار کرتا ہے اس کا حال دودھ فروش سے مختلف نہیں ہوتا۔

بعض کمپنیوں کی طرف سے ان کے سیلزمینوں کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ دکانداروں کو گارنٹی دے کہ نمونہ پکڑے جانے کی صورت میں کمپنی اس کی ذمہ دار ہوگی۔ اس تحفظ سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنی پہلے ہی بطور رشوت رقم ادا کر چکی ہے۔

دودھ اور کریانہ فروشوں کی طرح حلوائیوں کو بھی ہر ماہ انسپکٹروں کو ماہانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہوٹلوں کے مالکان بھی ان کی زد میں آتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسپکٹر سال میں چند ایک کیس ضرور عدالت میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ عوام ان کو اس بات کی شاباشی دیں کہ وہ اپنے فرائض نہایت ہی ایمانداری سے انجام دیتے ہیں۔



۱۸ویں صدی کا چاندی کا جام

پیلس میوزیم۔ چین کی قدیم تاریخ نظروں کے سامنے گھوم جاتی ھے

تن من اسکوائر ـــ جہاں تاریخ جنم لیتی ھے

محمود شام

بیگم بھٹو تشریف لے آئیں۔ ان کے ساتھ چین میں پاکستان کے سفیر کی بیگم بھی تھیں۔ کافی عمر رسیدہ ہیں۔ اور چین میں بھی ایک عرصے سے مقیم ہیں۔ لیکن ان کے لباس، فیشن اور مزاج پر عمر کا یا چین کے قیام کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ مستقل مزاجی ہو تو ایسی! جدید ترین ہیر سٹائل، چمکتی دمکتی اور پھسلتی ہوئی ساڑھی۔ کجلے سے تیکھے کئے ہوئے نین۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ چین کے دوست پاکستان کے سفیر کی یہ بیگم مغربی ممالک کے سفارت خانوں کی تقریبات میں بہت شوق سے جاتی ہیں۔ رقص میں حصہ لیتی ہیں۔ پاکستان کا نام روشن کرتی ہیں۔

یہیں ہم نے بیگم ایئر مارشل رحیم خان کو بھی دیکھا۔ وہ سادگی کا مرقع تھیں۔ لباس، بات چیت، ہر طرح سے۔ فیشن تو ان کے قریب آیا تک نہیں تھا۔

برف متواتر گر رہی تھی۔ بیگم صاحبہ پیلس میوزیم میں داخل ہوئیں۔ ہمارے ساتھ خان آف قلات تھے۔ مخدوم طالب المولیٰ، خورشید حسن میر، خیر بخش مری، سیف الرحمان کیانی، باقی صحافی حضرات۔ چین والوں کی طرف سے کوئی نائب وزیر تقریبات تھے اردو اور انگریزی کی مترجم خواتین تھیں۔ میوزیم کے اس حصے میں زیادہ تر وہ عجائبات اور نوادرات تھے جو پرولتاری ثقافتی انقلاب کے دوران چین میں کھدائی سے برآمد ہوتے اور جس سے قدیم چین کی تاریخ بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی کہ ان بادشاہیوں اور شہنشاہیوں کے زمانے میں عوام کا استحصال کیسے ہوتا تھا۔ بادشاہوں کے استعمال کے جو پیمانے اور جام یہاں موجود ہیں۔ ان پر ایرانی ثقافت کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ نوادرات زیادہ تر برتنوں پر مشتمل ہیں۔ ان سب کو انتہائی حفاظت سے شوکیسوں میں رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک شہنشاہ کی حنوط شدہ لاش بھی پڑی ہے۔ مگر یہ چینیوں کا خاص انداز ہے زرہ نما لباس نہ جانے کیسے بنایا جاتا ہے۔ اس کے ٹانکے سونے کی تاروں کے ہیں۔ اس لئے انتہائی مضبوط ہیں۔ اس لباس کے اندر کسی شہنشاہ کی لاش ہے۔ ذرا کروفر ملاحظہ ہو۔ یہ پیمانہ ہے یہ بڑی کیتلی ہے۔ کوئی شے ایک ہزار قبل مسیح کی ہے کوئی دو ہزار قبل مسیح کی، کوئی بعد از مسیح کی۔ اس طرح قدیم چین کی ایک تاریخ نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے چین کے میزبان بیگم صاحبہ کو ایک ایک چیز کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اب چین والوں کو اتنی فرصت مل گئی ہے کہ وہ ان ثقافتی نوادرات کو دکھاتے ہیں اور بات کرتے ہیں۔ ثقافتی انقلاب کے ذریعے وہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ اس زمانے میں کھدائی کر کے کئی پرانے شہر اور محل دریافت کئے گئے۔ اس زمانے کی گڑیاں، چھریاں، برتن اور لمپ



۵۷ء کا جگ۔

چھوٹے برتن، بڑے برتن، اس زمانے کی تہذیب کی غمازی بھی کرتے ہیں اور چین کے ثقافتی انقلاب لانے والے کامریڈوں کی تحقیق اور دریافت کی داد بھی۔ یہاں پُرانے سکّے بھی نظر آ رہے تھے۔ وقت کم تھا اِس لئے سب کچھ جلد جلد دیکھنا تھا۔ ایس کے پاشا کو چین میں پاکستان کی نادر چیز نظر آگئی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے اور اِس کے بارے میں جاننے میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس سلسلے میں کسی مترجم کی ضرورت نہ تھی۔ اِس ایک حِصّے سے نکلے تو ہمارے میزبان ہمیں ایک ڈرائنگ روم میں لے گئے جہاں یاسمین ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ گرم اور تازہ دم ہو کر ہم کمرے سے نکلے تو پھر دوسرا حصّہ دیکھنے چلے گئے۔ یہاں چھوٹی چیزیں زیادہ تھیں۔ سکّے، چھوٹے برتن، شطرنج کا کھیل اور جانے کیا کیا۔ اس کے بعد ہمیں واپس ہونا تھا۔ ہم باہر نکل کر محل کے صحن میں اپنی تصویریں بناتے رہے۔ کبھی یہاں چین کے شہنشاہ ٹہلتے ہوں گے۔ کہیں شیر کا مجسمہ ہے کہیں چیتے کا، سانپ کا۔ بادشاہوں کو انسانوں سے زیادہ جانوروں کا شوق ہوتا ہے۔ یا پھر وہ ایسے انسانوں کو عزیز رکھتے ہیں جو جانور بن جائیں۔

باہر نکلے تو برف کم ہو گئی تھی۔ سورج کی کرنیں پھیلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ شہرِ ممنوعہ پر دھوپ چمک رہی تھی۔ ہم شہرِ ممنوعہ کی ایک جھلک دیکھ کر باہر نکل رہے تھے۔ تنگھائی گاڑی برف کے درمیان سے بھاگ رہی تھی۔ کامریڈ نہایت سکون سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مسکراہٹ اِس کا بھی مقدر تھی۔ اب احفاظ الرحمٰن کو اچانک یاد آیا کہ وہ اپنے ہوسٹل سے جو گاڑی لایا تھا اس سے آدھ گھنٹے بعد آنے کا کہہ کر وہ ہمارے ہوٹل آیا تھا اور اِس کے بعد وہ ہمارے ساتھ چلا آیا۔ اب تین گھنٹے اوپر گذر گئے ہیں۔ وہ بے چارا انتظار کر رہا ہوگا۔ چین میں ایسے خدمت کے کاموں سے وابستہ کامریڈ، دوپہر کا کھانا جلد ہی یعنی گیارہ بجے کے قریب کھا لیتے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کو آسانی رہے۔ مگر اب ایک بج رہا ہے۔ اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ یہ گاڑی ہوسٹل سے کرایے پر لائی گئی تھی۔

ہم ہوٹل میں پہنچ گئے ہیں۔ احفاظ نے دیکھا تو کامریڈ گاڑی لئے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ احفاظ کو چینی زبان کچھ کچھ آگئی ہے۔ اُس نے کامریڈ سے معذرت کی۔ ہم نے بھی اُردو میں معذرت کی اور پھر احفاظ نے چینی میں معذرت اس تک پہنچائی۔ ہم پھر اس گاڑی میں بیٹھ کر احفاظ کے ہوسٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں چند منٹ کے لئے تین مین اسکوائر میں رک کر میں نے اور اصحاب نقوی نے تصویریں بنوائیں۔ دھوپ سینکنے کے لئے چینی دوست اسکوائر کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے۔ مسکراتے چہرے پُراعتماد۔ یہ اُن کا عظیم چوک ہے۔ ایک طرف گریٹ ہال ہے دوسری طرف وہ بالکونی جہاں سے ماؤزے تنگ سلامی لیتے ہیں یہ بینا؟ دستیاں۔ کل تک اس چوک کی صرف فلمیں اور تصویریں دیکھی تھیں آج میں خود اس چوک میں کھڑا ہوں۔ آج کی تاریخ کا اور آج کی دنیا کا سب سے اہم چوک۔ جہاں تاریخ جنم لیتی ہے۔ گریٹ ہال کے ایک پہلو میں چین کے دور دراز سے آئے ہوئے لوگ تصویریں بنوا رہے ہیں۔ اِس عظیم چوک میں اپنی تصاویر کھنچوا کر عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُدھر ہزاروں لوگ برف ہٹانے میں مصروف ہیں ایک زندگی ہے۔ اعتماد ہے۔ تنظیم ہے۔

اب ہم گورنمنٹ فرینڈشپ ہوسٹل کی طرف جا رہے ہیں۔ راستے میں ایک بہت بڑی۔ وسیع و عریض۔ کئی منزلہ عمارت ہے اس پر بڑے بڑے سُرخ الفاظ میں عمارت کے اُوپر سے لے کر نیچے کی طرف کچھ لکھا ہوا ہے۔ احفاظ بتاتا ہے کہ یہ ریڈیو پیکنگ کی عمارت ہے۔ اتنی بڑی عمارت۔ ہمارے تو بیسیوں ریڈیو اسٹیشن اِس میں سما جائیں۔ یہاں سے دنیا بھر کی زبانوں میں پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ ۲۴ گھنٹے ریڈیو چلتا ہے اور اس میں کئی کئی گھنٹے کے پروگرام چلتے ہیں۔ میں یہ بلند و بالا اور وسیع و عریض عمارت دیکھ رہا تھا اور مجھے ریڈیو کی خاتون اناؤنسر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔
یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔
یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔

یہ ریڈیو پیکنگ ہے۔ اور ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم شہر سے نکل چکے ہیں۔ خزاں زدہ درختوں والی سڑک پھر شروع ہو چکی ہے۔ دور دور تک برف پھیلی ہوئی ہے۔ ہوسٹل خاصی دور ہے۔ ہوسٹل میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ عمارت کتنی بڑی ہے۔ ایک سٹلائٹ ٹاؤن لگتا ہے کہ آباد ہے۔ اس فرینڈشپ ہوسٹل میں دنیا بھر کے لوگ رہتے ہیں۔ ہوسٹل میں مختلف بلاک ہیں۔ تین تین چار چار منزلہ فلیٹ ہیں۔ پاکستانی بھی رہتے ہیں۔ عرب بھی۔ افریقی بھی ایشیائی بھی۔ دوست ممالک سے نوجوان پڑھائی کے لئے آئے ہوئے ہیں یا ترجمے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ کئی ایسے ممالک بھی ہیں جہاں عوام دشمن طاقتیں برسرِاقتدار ہیں اور بہت سے انقلابی نوجوان وہاں سے جلاوطن ہو کر یہاں آ بسے ہیں۔ یہاں بیٹھ کر وہ اپنے عظیم وطن کے لئے آزادی کی جدوجہد کو تیز کرتے ہیں۔ احفاظ ایک خوب صورت بچے کو پیار سے بلا رہا ہے۔ گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا سفید فام بچہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔ آس پاس برف بکھری ہے۔ بچّہ برف سے کھیل رہا ہے۔ بچّہ بھی احفاظ سے مانوس ہے اس بچّے کے ماں باپ برازیل کے رہنے والے ہیں۔ باپ برازیل کا جلاوطن انقلابی ہے۔ ہوسٹل کے جس بلاک میں احفاظ رہتا ہے اس کے دروازے پر ان بچّوں نے "سنومین" (برف کا آدمی) بنا رکھا ہے۔ بچّے ہر جگہ ایک سے ہوتے ہیں۔ جہاں برف گرتی ہے وہاں بچّے "سنومین" بھی بناتے ہیں۔ یہ سوڈان کے کامریڈ ہیں۔ عربی کا کام کرتے



پیلس میوزیم میں مضمون کے مصنف



(دائیں سے بائیں) حامد ہاشمی، اصحاب نقوی، شیخ علی محمد چینی مترجم خاتون اور محمود شام

ہیں۔ بچوں سمیت یہاں رہتے ہیں۔ یہاں پہلے سوڈان کے احمد محمد خیر بھی رہتے تھے۔ انقلابی شاعر تھے۔ بہت عرصے تک وہ چین میں جلاوطن کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اب واپس جا چکے ہیں۔ ان کی جدوجہد اگرچہ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئی مگر راستہ ہموار ہو گیا ہے۔ فضا، سازگار ہو گئی ہے، اس لئے وہ واپس اپنے وطن چلے گئے ہیں۔

ہم سیڑھیاں چڑھتے ہوئے احفاظ کے فلیٹ میں جا پہنچے ہیں۔ بڑے خوب صورت فلیٹ ہیں۔ ٹیلی فون کنکشن۔ باورچی خانہ ڈرائنگ روم، بیڈروم، لکڑی کا فرش۔ روشن اور ہوادار، ہم یہاں تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں۔ احفاظ نے کچھ چیز پاکستان بھیجنا ہیں۔ وہ لے کر ہم چل پڑتے ہیں۔ رستے میں آزادیٔ فلسطین کے دو نمائندے ملتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک ہے۔ چہرے پرعزم۔ انہیں جب معلوم ہوتا ہے کہ میرا سفت روزہ "الفتح" سے تعلق ہے تو وہ بہت گرمجوشی سے ملتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی کامیابی اور آزادی کے لئے دعا مانگتے رخصت ہوتے ہیں۔ احفاظ پھر ہوسٹل کے دفتر سے ایک گاڑی کے لئے ۵ ½ یوآن (گیارہ روپے) ادا کرتا ہے۔ اور رسید لے کر گاڑی کے پاس پہنچتا ہے۔ کامریڈ ہمیں لے کر شہر چل پڑتا ہے۔ احفاظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ۵ ½ یوآن دے کر گاڑی لی جا سکتی ہے۔ اسے خواہ ایک گھنٹہ ساتھ رکھیں۔ زیادہ گھنٹے یا دن بھر۔

ہم اس وقت خریداری کے ارادے سے نکلے ہیں۔ کیونکہ وقت کم تھا۔ آج ذرا سی فرصت تھی۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ احفاظ بھی ساتھ ہے۔ اس کی رہنمائی میں شاپنگ میں آسانی رہے گی۔ ہم پہلے تو اسی کل والے فرینڈشپ سٹور کی طرف گئے۔ وہاں سے ووسکی اور خام سلک لی۔ عظیم قائد ماؤزے تنگ کے بیج خریدے۔ کپڑے، سویٹر۔ بچوں کے کپڑے۔ ہر چیز میں چین کی ہنرمند نفاست اور معیار کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کہیں بے ہنری یا بے ایمانی کا احساس نہیں ہوتا۔

ہمارے جہاز کا عملہ بھی خریداری میں مصروف ہے۔ ایئر ہوسٹسیں اس وقت اپنی یونیفارم میں نہیں ہیں۔ وہ رنگا رنگ ساڑھیاں اور بیل باٹم پہن کر پاکستان کا نام روشن کر رہی ہیں۔ زبردست خریداری ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے فرینڈشپ سٹور میں دیوار پر لٹکانے والی سیزیاں، تصویریں اور بچوں کے کھلونے ملتے ہیں۔ تیسرے میں قالین اور کراکری، ہمارے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں اور وقت بھی نہیں ہے ورنہ ہر چیز اس قدر حسین اور اس قدر معقول دام کہ ہر طرف کی نظر کھنچی جائے۔ لڑکیاں، لڑکے، بوڑھے مستعد کھڑے ہیں۔ چیز پسند کیجئے۔ وہ پیک کریں گے۔ رسید آپ کو دے دیں گے۔ کاؤنٹر پر ادا کر دیں اور سامان اٹھالیں۔ ایک فرینڈشپ سٹور پر ہمیں ذرا سی دیر ہو گئی۔ کیونکہ وہاں بجلی کی ٹھیک ہو رہی تھی اور کامریڈ اس میں زیادہ مصروف تھے۔ اس کے بعد ہم اپنے ہوٹل چلے آئے۔ ہوٹل میں ہمارے لئے پہلے سے پیغام پڑا تھا کہ افروایشیائی

ڈرائینگ روم میں یاسمین ہمارا انتظار کر رہی تھی

صحافیوں کی تنظیم کے سیکرٹری مسٹر جو موتو کے ہاں ہمیں ½۴ بجے پہنچنا ہے۔ اپنے سوڈانی دوست کے پاس سے ہم نے افروایشیائی جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے سیکرٹریٹ میں فون کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ پیغام دیا گیا دوپہر کا کھانا ہم نے دیر سے کھایا تھا اور پھر تھوڑی سی دیر میں ہم ادھر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جو موتو صاحب پہلے چین میں انڈونیشیا کی طرف سے سفیر تھے۔ لیکن جب انڈونیشیا میں سوکارنو کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تو اس وقت سے ایک جلاوطن کی حیثیت سے یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چین والے ان سے اب بھی ڈپلومیٹ کے آداب برتتے ہیں۔ انہیں بہت بڑا مکان رہنے کے لئے دے رکھا ہے۔ پروٹوکول۔ گارڈ وغیرہ جو موتو صاحب کے علاوہ وہاں تنزانیہ کے سعید صاحب بھی تھے۔ پاکستانی صحافت کے سلسلے میں بات ہوئی۔ انہوں نے برنا صاحب کے بارے میں خاص طور پر پوچھا۔ ہم نے بتایا کہ پاکستانی صحافت پر اگرچہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود صحافی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ایک معاشی جدوجہد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کی ہڑتال کے نکالے گئے صحافی۔ دو سال کی جدوجہد کے بعد بالآخر کامیاب ہو گئے ہیں۔ منہاج برنا بھی پاکستان ٹائمز میں چلے گئے ہیں۔ باقی لوگ بھی اپنے اپنے اخباروں میں چلے گئے ہیں جو موتو صاحب نے "الفتح" کے بارے میں پوچھا۔ ان کے ایک چینی ساتھی اندر سے "الفتح" کا ایک دو ہفتے پرانا پرچہ اٹھا لائے۔ پرچہ انہیں باقاعدگی سے ملتا ہے۔ مگر ترجمے کا انتظام نہیں ہے اس لئے پڑھ نہیں پاتے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اگر بعض اہم چیزوں کا ترجمہ انگریزی میں کرا کے بھجوا دیا کریں تو ہمیں معلومات ہوتی رہیں۔ وقت کم تھا اس لئے زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی تھی شام کو وزیراعظم چواین لائی کی طرف سے دیئے گئے عشائیے میں بھی شرکت کرنا تھی۔ ہم وہاں سے واپس ہونے کو نکلے تو جو موتو صاحب اور دوسرے ساتھی باہر تک نکلے۔ یہ پاکستانی عوام کے لئے خلوص کا اظہار تھا پھر ہم پیکنگ کے اس اندرون شہر کی علاقے کی تنگ سڑکوں اور چھوٹے چھوٹے مکانوں کے درمیان سے ہوتے واپس ہوتے۔ جہاں ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں کھیل رہے تھے۔ گلیوں میں بھی چھوٹی چھوٹی دوکانیں نظر آ رہی تھیں۔ جہاں اشیائے خوردنی بک رہی تھیں۔ یہ حقیقی پرولتاری پیکنگ تھا —— اب ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچ چکے تھے۔ (باقی آئندہ)

ریلوے کی بدعنوانیاں

ریلوے نے ایک مسافر کو
تاریخ کے بغیر تین ٹکٹ جاری کر دیئے

6485 19
وحاشتی ٹکٹ
کراچی شہر
تا
لانڈھی
۲۵ پیسہ

6485 19

647317
وحاشتی ٹکٹ
کراچی شہر
تا
لانڈھی
۲۵ پیسہ

647317

نورخان یوسف زئی

آپ نے یہ خبر تو پڑھ ہی لی ہوگی کہ ۲۸ر جنوری ۱۹۷۲ء کو ماڈل کالونی ریلوے اسٹیشن سے کراچی شہر جانے کے لئے تین ٹکٹ نمبر ۲۹۳۲۴۶، ۲۹۳۲۴۷ اور ۲۹۳۲۴۸ ایک مسافر کو جاری ہوتے جو کہ بغیر کسی تاریخ کے جاری کر دیئے گئے۔ اس قسم کی شکائتیں عام ہیں اس کے علاوہ ایک شکایت یہ بھی عام ہے کہ پرانے یعنی استعمال شدہ ٹکٹ، ٹکٹ گھروں سے جاری ہوتے ہیں۔ ایسا ہی واقعہ ایک مسافر کے ساتھ ۷ جنوری ۱۹۷۱ء کو پیش آیا کہ اس نے کارساز ریلوے اسٹیشن سے ایک ٹکٹ کراچی شہر کے لئے خریدا۔ اس کا ٹکٹ نمبر ۲۴۸۲۶ تھا۔ اس پر اردو میں چند مہمل سے جملے لکھے تھے۔ جس پر اس شخص نے وہ ٹکٹ مجھے دکھایا، میں نے بغور اس کی تاریخ دیکھی تو مجھے اس پر شک گذرا۔ میں نے کلرک سے اس کی وضاحت چاہی تو اس نے کہا کہ یہ ٹکٹ بالکل صحیح ہے۔ صبح ایک مسافر لے کر گیا تھا۔ وہ لوکل میں سوار نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے واپس کر دیا۔ بہرحال یہ ٹکٹ درست ہے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہ ٹکٹ راستے میں چیک ہوتا ہے تو یا تو اس پر جرمانہ دیا جائے، یا وہ حوالات کی نذر کر دے گا۔ اس پر کلرک چراغ پا ہو گیا اور وہ ٹکٹ واپس مانگا۔ ہم نے فوراً مزید پیسے دیئے کہ آپ ایک اور ٹکٹ دے دیں۔ اوّل تو وہ نیا ٹکٹ دینے سے انکار کرنے لگا۔ وہ اس پر مصر تھا کہ آپ یہ ٹکٹ دیکر دوسرا ٹکٹ لے لیں۔ ہم اس پر مصر تھے کہ آپ مزید پیسے لے کر دوسرا ٹکٹ دے دیں۔ بہرحال اس نے پیسے لئے اور دوسرا ٹکٹ دیا۔ قریب ہی ایک صاحب ہماری یہ گفتگو سن رہے تھے۔ انھوں نے ہم سے نیا ٹکٹ لیا اور پرانا بھی۔ دونوں کا تجزیہ کیا تو بہت فرق نکلا بعد میں جاری ہونے والے ٹکٹ کا نمبر تھا ۴۱۴۸۵۔ اتنے میں لوکل آگئی۔ ہم، وہ مسافر اور ایک اور صاحب گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میرے پاس ماہانہ پاس تھا۔ گاڑی تیزی سے اپنے سفر پر گامزن تھی اور ہم لوگ درمیانِ سفر حساب لگا رہے تھے۔ حساب لگانے پر معلوم ہُوا کہ چند منٹوں کے وقفہ سے خریدے جانے والے ٹکٹوں کے نمبروں میں ۱۵،۳۴۲ نمبروں کا فرق نکلا۔ جب کہ پلیٹ فارم پر ہمارے علاوہ صرف چار آدمی اور تھے۔ ہمارا شک یقین میں بدل گیا اور اس بات کا اندازہ ہُوا کہ یہ ٹکٹ استعمال شدہ ہے۔ ہم کراچی شہر اُترنے کے بعد اس مسافر کو لے کر ڈویژنل آفس گئے۔ یہاں اسسٹنٹ کمرشل آفیسر کے رُوبرو یہ روداد پیش کی۔ اُن کے قریب ہی ایک افسر بیٹھے تھے، انہوں نے یہ قصہ سُنا اور ہمارے پتے نوٹ کئے۔ اور کہا کہ میں تفتیش کروں گا۔ اسسٹنٹ کمرشل افسر نے دونوں ٹکٹ لے کر اس تفتیشی افسر کو دے دیئے۔ چند روز گزرنے کے بعد ہم نے پھر اسسٹنٹ کمرشل آفیسر سے رابطہ قائم کیا تو اتفاق سے وہ تفتیشی افسر بھی موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ہم نے تفتیش کی اور اس سے یہ بات منظرِ عام پر آئی ہے کہ یہ ٹکٹ بکنگ کلرک نے نہیں بلکہ پانی والے نے "ایشو" کیا ہے۔ ہم نے اُن سے سوال کیا کہ کیا ریلوے میں پانی والا بکنگ کلرک کے فرائض انجام دیتا ہے تو موصُوف نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد سے آج تک ہمیں نہ تو یہ ٹکٹ واپس کئے گئے اور نہ ہی کوئی اطلاع دی گئی کہ اس کا کیا بنا۔ یہ تو ایک سیدھی بات تھی کہ سابقہ تاریخوں کے ٹکٹ جاری کئے گئے لیکن محکمہ ریلوے کسی سے کم نہیں ہے اس نے پیشگی تاریخ کے ٹکٹ بھی جاری کئے ہیں یعنی قبل از تاریخ ٹکٹوں کا اجراء۔ ہُوا یوں کہ گذشتہ دنوں ہمارا ماہانہ پاس نہ بنوایا جاسکا لہٰذا اس کی زرِ ضمانت مبلغ دو روپے ریلوے نے بطور بحق سرکار ضبط کر لئے اور روزانہ نقد ٹکٹ خرید کر سفر شروع کر دیا۔ حسبِ معمول ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو کراچی شہر کے درجہ سوم کے ٹکٹ گھر سے لانڈھی کے لئے ٹکٹ خریدا۔ اس کا نمبر ۶۴۷۳۱۷ تھا۔ ٹکٹ پر جب تاریخ دیکھی تو ۱۳ر اکتوبر ۲۹۷۱ء تھی۔ میں نے بکنگ کلرک سے کہا کہ اس میں تاریخ غلط "پنچ" ہو رہی ہے اور سن "۱۹۷۱ء" کے بجائے "۲۹۷۱" آرہا ہے۔ پہلے تو بابو نے ماننے سے انکار کر دیا۔ جب میں نے اس کو ٹکٹ دکھایا تو اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے میں تبدیل کر دوں گا۔ میں چلا گیا۔ دُوسرے دن یعنی ۱۴ر اکتوبر کو وہیں سے لانڈھی جانے کے لئے ٹکٹ خریدا تو ٹکٹ نمبر ۶۴۸۶۱۹ ملا اس پر جو تاریخ دیکھی تو ۱۴ر اکتوبر ۲۹۷۱" میں نے بکنگ کلرک سے کہا کہ میں نے کل بھی بتایا تھا کہ سن غلط طریقہ سے پنچ ہو رہا ہے لیکن آپ نے کوئی دھیان نہ دیا اور آج بھی وہی سنہ ۱۹۷۱ء چل رہا ہے۔ اس پر بکنگ کلرک برہم ہو گیا اور کہنے لگا "تم اس کے ٹھیکیدار ہو" میں اپنا سا منہ لے کر واپس آگیا۔ میں نے سوچا کہ واقعی میں کوئی ریلوے کا ترجمان ہوں جو ہر جگہ ٹانگ اڑاتا ہوں لیکن طبیعت نہ مانی تو ایک مراسلہ لکھ ڈالا جو کہ کراچی کے ایک روزنامہ میں ۱۶ر مارچ ۱۹۷۱ء اور ۶ر نومبر ۱۹۷۱ء کو شائع ہُوا لیکن آج تک کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ٹکٹ نمبر ۶۴۷۳۱۷ ملا اور

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

ضروری تصحیح

الفتح کے شمارہ نمبر ۴۲ میں ریلوے کی بدعنوانیوں کے کالم میں نورخان یوسف زئی کا جو مضمون شائع ہُوا ہے اس میں صفحہ ۱۸ پر پہلے کالم کی سطر ۲۳ میں "ڈی ایس پی" کی جگہ غلطی سے "ڈی ایس" لکھا گیا ہے۔ قارئین اسے "ڈی ایس پی" پڑھیں۔ (ادارہ)

بحری وڈیرے ـــ مزید انکشافات

بھارتی طیارے کے حملے کے وقت بحریہ کے کمانڈر انچیف اپنے بنگلے کی چھت بنوا رہے تھے

مرزا علی اشرف بیگ



ٹنڈو باگو میں ایک ہزار ایکڑ کا زرعی فارم

اے آر خان اور اُن کے تین دوستوں کی مشترکہ ملکیت

بحری وڈیروں کے بارے میں چند ہفتے قبل ہم نے کچھ انکشافات کئے تھے۔ ان میں نیشنل شپنگ کارپوریشن کے وڈیروں کا بھی تذکرہ تھا اور ان کی ہلکی سی نقاب کشائی کی گئی تھی۔ ہمارے سابق وزیر اطلاعات جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے اس سلسلے میں مدیران کو خطوط تحریر کئے تھے جس میں انہوں نے تنقید کا جائز حق استعمال کرتے ہوئے اس بارے میں توجہ دلائی تھی۔ پیرزادہ صاحب کے اس رویہ پر مقبوضہ اخبارات نے بڑے منفی انداز میں اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ ہم پیرزادہ صاحب کے اس جمہوری انداز کو مثبت سمجھتے ہیں لیکن بحری وڈیروں کی کہانی کے بارے میں انہوں نے جو حوالہ دیا ہے اس کے بارے میں صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں کہ افواج میں ہونے والی دھاندلیوں کی جو نقاب کشائی شروع ہوئی ہے اس سے قومی مفاد زد میں نہیں آنا چاہیے بلکہ افواج میں تطہیر اور مستحکم بنیادوں پر تنظیم نو کے بارے میں حکومت نے جو تحریک شروع کی ہے۔ وہ اس نقاب کشائی سے کچھ اور معاونت حاصل کر سکے گی۔ ہم اسی مقصد کے پیش نظر آج بحری وڈیروں کے بارے میں ایک اور تفصیلی کہانی شائع کر رہے ہیں۔

بحریہ کے بڑے بڑے افسروں اور ایڈمرلوں کے بارے میں ہم نے گزشتہ مضمون میں بڑی تفصیل اور وضاحت سے لکھا تھا۔ اب ان میں سے چند سرکردہ لوگوں کی ان کارگزاریوں کی تفصیل ہم نذر قارئین کر رہے ہیں۔

اے۔ آر۔ خان ٹولہ

اے۔ آر۔ خان بحریہ کے کئی سال کمانڈر انچیف رہے ہیں۔ ایوب خان نے انہیں وزیر دفاع کے مرتبے تک بھی پہنچا دیا تھا۔ اپنے ان عہدوں پر رہتے ہوئے اے۔ آر۔ خان نے کیا کیا۔ اس کی داستان ٹنڈو باگو میں ایک ہزار ایکڑ کا وہ زرعی فارم بتائے گا جس کی فصلیں اے۔ آر۔ خان اور ان کے تین دوستوں کے نام پر لہلہاتی تھیں۔ ایک ہزار ایکڑ کا یہ زرعی فارم اے۔ آر۔ خان اور بحریہ کے تین دوسرے بڑے افسروں کی مشترکہ ملکیت تھا۔ ان کے ان چار دوستوں میں مشہور زمانہ لولے سعید، کموڈور محمود الحسن اور کیپٹن محمد الیف جنجوعہ شامل ہیں۔ فوجی افسروں کے نام پر ملنے والی زرعی زمین اے۔ آر خان نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے حاصل کی تھی۔ چاروں افراد ان میں سے ڈھائی، ڈھائی سو ایکڑ کے مالک تھے اور یہ چاروں شاید کوآپریٹو فارمنگ کا تجربہ کر رہے تھے۔ بحریہ کے ان چاروں بڑوں کی اس مشترکہ فارمنگ سے ملک نے کیا فائدے حاصل کئے۔ فوج کو کیا ملا اس کا اظہار ہم نے سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں دیکھ لیا۔ اے۔ آر۔ خان صاحب بحریہ کے سربراہ تھے اور سنا ہے کہ بحریہ کے چھوٹے بڑوں کی آدھی

ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی بحری وڈیروں کی جاگیر بن گئی



سے زیادہ زندگی سمندر ہی میں کٹا کرتی ہے۔ لیکن خان صاحب زیادہ تر وقت اپنے زرعی فارم پر گذارا کرتے تھے۔ شاید ریٹائر ہونے کے بعد ایک ماہر زراعت کی حیثیت سے دن گزارنے کی تربیت حاصل کرنے اور یا پھر ممکن ہے ایوب خان نے انہیں بحریہ چھوڑ کر زراعت میں تجربات کرنے کے کام پر مامور کیا ہو۔

ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی

ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی کی ایک بڑی فیشن ایبل بستی ہے جہاں آج کل کراچی کے اعلیٰ طبقے کی کریم رہتی ہے۔ یہ بستی جس زمین پر بسائی گئی ہے وہ فوجیوں کے نام سے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے نام پر حاصل کی گئی تھی۔ لیکن اس پوری بستی میں جو لاکھوں روپے کی ملکیت کے انتہائی پُرتعیش بنگلے تعمیر ہیں۔ ان میں ... فی صد اکثریت غیر فوجیوں کی ہے۔ اس سوسائٹی کا چیئرمین نیوی کا سربراہ ہوتا ہے۔ جناب اے۔ آر۔ خان اس حیثیت میں عرصے تک اس کے بھی سربراہ رہے اور اپنی سربراہی میں انہوں نے ان پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔ افواج کے جن میں نیوی بھی شامل ہے۔ بہت سے افسر بے زمین رہے لیکن بعض خوش قسمت افسر ایسے بھی ہیں جن کے حصے میں ایک سے زیادہ پلاٹ آئے۔ ڈیفنس سوسائٹی میں پلاٹ صرف ایسے افراد کے لئے مخصوص ہیں جن کا تعلق دفاعی سروس سے ہے۔ لیکن یہاں بہت سے ایسے بڑے لوگوں کو محض خوش کرنے کے لئے پلاٹ الاٹ کئے گئے۔ جن کا دفاعی سروس سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اسٹیٹ بنک کے سابق گورنر محبوب الرشید، سابق وزیر خزانہ جناب محمد شعیب اور ان کے بہت سے رشتہ دار، شہر کے ڈپٹی کمشنر وغیرہ اس فہرست میں شامل ہیں جنہیں ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کی اعلیٰ بستی میں رہائشی پلاٹ ملے۔

سوسائٹی کے خلاف انکوائری

اس سلسلے میں صرف اے آر خاں نے ہی نہیں بلکہ بحریہ کا جو بھی سربراہ اس کا چیئرمین بنا اس نے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں مارے۔ ۱۹۷۰ء میں ان تمام امور کی تحقیقات کے لئے ایک انکوائری کمیٹی بٹھائی گئی۔ اس وقت مظفر حسن سوسائٹی کے چیئرمین تھے۔ اس کمیٹی کی اس رپورٹ پر اس لئے کچھ نہیں ہوا کہ اس میں بعض بڑے بڑے نام آتے تھے اور مظفر حسن ان بڑے آدمیوں کے خلاف کوئی اس قسم کی کارروائی نہیں کرنا چاہتے جس سے وہ ناراض ہو جائیں مظفر حسن صاحب کو ویسے بحریہ سے زیادہ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی سے لگاؤ تھا اور وہ اپنے اوقات کار کا بڑا حصہ سوسائٹی کے دفتر میں گزارا کرتے تھے۔

بعض شاہدین نے یہ بھی بتایا کہ جس روز کراچی کی بندرگاہ پر بھارتی طیاروں کا سب سے بڑا حملہ ہوا اُس روز بحریہ کے یہ کمانڈر انچیف اپنے بنگلے کی چھت ڈلوانے کے کام کی نگرانی کر رہے تھے۔

بحریہ کا ایک اور خادم

اے۔ آر۔ خان کے بعد احسن بحریہ کے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے پیش رو کی روایت پر عمل کرتے ہوئے گھونکی میں ایک زرعی فارم لگایا۔ اس فارم میں جناب مظفر حسن اور بعض دوسرے دوست ان کے ساتھی تھے۔

اے۔ آر۔ خان اور این ایس سی

اے۔ آر۔ خان صاحب نے بحریہ کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے اقرباء پروری کے بھی بڑے مظاہرے کئے ہیں۔ نیشنل شپنگ کارپوریشن جس میں یوائے سعید کے زمانے میں اقرباء پروری اور دوست نوازی کی بڑی بڑی مثالیں قائم ہوئی ہیں۔ وہ ان کا نشانہ بنی۔ ڈپٹی کمرشیل منیجر اعجاز احمد خان۔ ان کے بھتیجے تھے جنہیں اس عہدے پر خان صاحب کی خصوصی سفارش پر رکھا گیا۔ اسی طرح امین اللہ خان جو اے۔ آر۔ خان کے سالے ہیں این ایس سی ہی میں پبلک ریلیشنز افسر مقرر ہوئے۔

شیخ مجیب کو طیارے سے اُترتے دیکھ کر کوسیجن نے نائب وزیرِ اعظم کو آنکھ ماری



شیخ مجیب نے سوویت یونین کی سازش پر ٹھپّہ لگا دیا

آغا مسعود حسین

ماسکو سخت سردی میں لپٹا ہوا تھا۔ لوگ موٹے موٹے کپڑے پہنے تیزی سے اپنے دفتروں اور فیکٹریوں کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ بس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے چلنے والے قدم رک گئے۔ اور انہوں نے کوسیجن کو محافظ دستوں کے جلو میں تیزی سے ایئرپورٹ کی طرف جاتے دیکھا وہ سمجھ گئے کہ آج "بنگلہ دیش" کا رہنما شیخ مجیب الرحمٰن آ رہا ہے۔ کیونکہ ایک ہفتہ سے ماسکو کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن شیخ مجیب کی آمد کے بارے میں خصوصی پروگرام نشر کر رہے تھے ان پروگراموں میں وہ خط بھی سوویت شہریوں کو بار بار سنایا جا رہا تھا جو سپریم سوویت کے صدر پوڈگورنی نے یحییٰ خان کو لکھا تھا اور جس میں شیخ مجیب کے ساتھ مشرقی پاکستان کے حالات پر سیاسی تصفیہ پر زور دیا گیا تھا —— ماسکو کے ٹیلی ویژن اور ریڈیو سوویت شہریوں کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ دراصل "بنگلہ دیش"، کی آزادی کی ابتدا سوویت یونین کی حمایت سے ہوئی ہے اور انہوں نے ہی ان کو "آزادی" دلوائی ہے۔

"بنگلہ دیش" ایئر لائنز کا طیارہ جیسے ہی ماسکو کے ہوائی مستقر پر اترا اور جہاز کے ساتھ سیڑھیاں لگائی گئیں تو مسٹر کوسیجن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اپنے اپنے نائب وزیرِ اعظم کی طرف دیکھا اور آنکھ ماری —— اور یہ آنکھ کے اشارے —— سارے سوویت لیڈروں کے دِل بلّیوں اچھلنے لگے۔ شیخ مجیب طیارے سے باہر آئے تو ایئرپورٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے مجمعے نے، جس میں نمایاں تعداد ہندوستانیوں کی تھی "شیخ مجیب الرحمٰن زندہ باد" کے نعرے لگائے —— کوسیجن نے بڑھ کر شیخ مجیب کو گلے سے لگا لیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن وزیرِ خارجہ عبدالصمد اور کوسیجن ایک بلٹ پروف والگا میں بیٹھ کر کریملن روانہ ہو گئے۔ ہوائی مستقر پر اداسی تھی اور "آزادی" کہیں دور جہاز کے پہیوں تلے روندی جا چکی تھی۔

کریملن میں پہنچتے ہی شیخ مجیب صاحب کا تعارف پوڈگورنی اور پارٹی کے سربراہ برژنیف سے کرایا گیا۔ اور تعارف کے فوراً ہی بعد معزز مہمانوں کی خدمت میں —— روسی ووڈکا پیش کی گئی اور کچھ ازبک لڑکیوں نے ان کی "جدوجہد آزادی"، کی شان میں گیت گایا۔ شیخ مجیب کیونکہ تھکے ہوئے تھے اس لیے وہ اپنے محافظ دستے کی پیش قدمی میں اپنے ہوٹل میں آ گئے جہاں ان کے طعام اور قیام کا روسی انداز کا معقول انتظام تھا۔ رات بھر ٹیلی ویژن اور ریڈیو شیخ صاحب کی تعریف اور روسی امداد کے گن گاتے رہے۔ مسٹر عبدالصمد آزاد نے ایک اخباری نمائندے سے مذاق میں کہا "اتنا مسکہ پالش ٹھیک نہیں"۔

سہ پہر شیخ مجیب دوبارہ کریملن پہنچے اور باقاعدہ گفتگو کا آغاز ہوا۔ دراصل گفتگو تو اندرا کے ذریعے بہت پہلے ہو چکی تھی —— وہ تو محض بیرونی اخباری نمائندوں کو دکھلانے کے لیے اتمامِ حجت کے طور پر کی جا رہی تھی —— اس گفتگو کے آغاز میں شیخ صاحب کو پوڈگورنی کا وہ خط پڑھ کر سنایا گیا جو سابق صدر یحییٰ خان کو لکھا گیا تھا۔ شیخ صاحب اس خط کو سنتے رہے لیکن عبدالصمد مسکراتے رہے۔ خط کے خاتمہ کے بعد باہمی دوستی اور خیرسگالی کے جذبات کا اظہار کیا گیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ محفل برخاست ہو گئی۔

دوسرے دن کریملن میں شیخ مجیب اور کوسیجن اکیلے

عبدالصمد آزاد نے روسی اخبار نویسوں سے کہا: "اتنا مسکہ پالش ٹھیک نہیں"

بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ شیخ مجیب کے سامنے وہ ڈرافٹ رکھا ہوا تھا جس پر انہیں ایک ہفتہ کے بعد دستخط کرنے تھے انہوں نے اسی کو پڑھا اور ہز ماسٹرز وائس ریکارڈ کی طرح اس پر "اوکے" کر دیا۔

جس ڈرافٹ پر شیخ مجیب نے دستخط ثبت کیے۔ اس کا اصل متن تو کسی کو بھی معلوم نہیں لیکن غیر ملکی اخبارات میں جو کچھ چھپا ہے اس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ "بنگلہ دیش" اور سوویت یونین ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی جدوجہدِ آزادی کی حمایت کرتے ہیں۔

۲۔ سوویت یونین "بنگلہ دیش" کو اقتصادی، فنی اور فوجی امداد دیتا رہے گا۔ نیز روسی ماہرین بنگلہ دیش کی اقتصادی بحالی میں بنگلہ دیش کے عوام کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔

۳۔ سوویت یونین اور بنگلہ دیش کے رہنماؤں میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔

۴۔ بنگلہ دیش کے رہنماؤں کو بنگلہ دیش میں روسی اڈوں کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں۔ سوویت یونین ایشیائی عوام کی آزادی کی خاطر بنگلہ دیش میں فوجی اڈے قائم کر سکتا ہے۔

۵۔ بنگلہ دیش، سوویت یونین اور بھارت کے سائنسدان بحرِ ہند میں اپنے مفادات کے تحفظ کا پورا حق رکھتے ہیں۔

۶۔ بنگلہ دیش اور سوویت یونین کے رہنما یہ سمجھتے ہیں کہ سوشلزم، جمہوریت اور لادینیت کے ذریعے ترقی ممکن ہے۔

۷۔ بیرونی حملے کے پیشِ نظر بنگلہ دیش اور سوویت رہنما ایک دوسرے سے گہرا رابطہ رکھیں گے۔

بعض مغربی مبصر یہ کہتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے جس معاہدے پر دستخط کیے ہیں اس کے دو حصے تھے ایک وہ جس کے کچھ نکات واضح ہیں اور دوسرا وہ جس میں فوجی دفعات شامل ہیں۔ بہر حال اب اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ روسی سوشل سامراج نے قوموں کی آزادی کو فوجی یلغاروں میں بدل دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بنگلہ دیش کا قیام روسی سوشل سامراج اور بھارتی سامراج کی ملی بھگت سے عمل میں آیا ہے جو کہ برژنیف نظریہ برائے ایشیائی سلامتی نظام کا ایک حصہ ہے اور جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ چین کو چاروں طرف سے گھیر کر سیاسی طور پر دنیا سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر چین اس میں کسی قسم کی مزاحمت کرے تو اسے فوجی قوت سے کچل دیا جائے۔

روس اور بھارت کے مابین اگست میں ہونے والا فوجی معاہدہ اس بات کی دلیل تھا کہ یورپ کی طرح ایشیا میں بھی روس فوجی کارروائیوں کے ذریعے جغرافیائی تبدیلیوں کا نقیب بن کر ابھر رہا ہے۔ بنگلہ دیش کے ساتھ کیا جانے والا فوجی اور اقتصادی معاہدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس لیے کہ روسی سوشل سامراج ہندوستان کو اپنے اسلحہ کی قوت سے چین کے خلاف ایک طاقت کے توازن میں لانا چاہتے ہیں تاکہ ایک طرف چین کے خلاف بھارت نبرد آزما رہے تو دوسری طرف روسی سوشل سامراج مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید میں اپنے سیاسی اور فوجی اثر و رسوخ کو مستحکم کر سکے۔

بنگلہ دیش سے فوجی معاہدے کے بعد روسی سوشل سامراج انڈونیشیا کی طرف بڑھ رہا ہے جہاں اس نے چین کی حامی کمیونسٹ پارٹی کے ایک لاکھ کارکنوں کو قتل کروانے میں امریکی سامراج کا ساتھ دیا تھا بعض انڈونیشی سیاسی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ "روس کے کچھ سفارتی افسروں نے اہم راز انڈونیشیا کے دائیں بازو کے ایجنٹوں کو پہنچائے تھے تاکہ اس خطہ سے چین کا اثر و رسوخ ختم ہو جائے۔" آج روسی سوشل سامراج اس کے معاوضہ کی طلب میں آہستہ آہستہ انڈونیشیا کے ساحلوں کی طرف بڑھ رہا ہے جہاں وہ ایک نئی توانائی کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات کے فروغ کے لیے کام کرے گا اور اس طرح محکوم عوام کی جدوجہدِ آزادی کا راستہ اور طویل ہو جائے گا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے جس معاہدہ پر دستخط کیے ہیں وہ ایشیائی عوام کے خلاف روسی سوشل سامراج کی ایک مکمل سازش ہے۔ پاکستان کے عوام نے حالیہ جنگ میں یہ دیکھ لیا ہے کہ کس نے اس کی آزادی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور کس نے اس کے ملک کے ایک بڑے حصے کو بھارتی سامراج کو نذرانہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایشیائی عوام کا فیصلہ خود ان کے ہاتھوں میں ہے لیکن اب ان کی جنگ کا دائرہ پھیل گیا ہے اور وہ روسی سوشل سامراج کے خلاف ایشیا میں ایک نئی جنگ لڑنے کا عہد کر چکے ہیں تاکہ اس سامراجی ملک کو اس کے اپنے منجمد ساحلوں میں محصور کر دیا جائے جو قوموں کی آزادی اور بقا کو محض اپنی فوجی ہوس سے سلب کرنے کے لیے ہشت پا کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

پاکستان کے عوام بنگلہ دیش اور سوویت یونین کے مابین ہونے والے معاہدہ سے اور چوکنا ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایشیا میں آزادی کی بقا کی ضمانت اب چین پر ہے جو محکوم اقوام کا سب سے بڑا دوست ہے۔ امریکہ اور چین کے ساتھ تعلقات میں ایک نئے موڑ کے ساتھ پاکستان کے عوام چین کی حمایت سے روسی سوشل سامراج اور بھارتی سامراج کے سامنے ناقابلِ تسخیر قلعہ ثابت ہوں گے۔

پیچھے کی طرف ایک اور قدم

لیبر پالیسی

استحصال پر کوئی ضرب نہیں لگائی گئی

نئی حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اہم شعبوں میں اصلاحات کا اعلان کر دیا ہے۔ مقبوضہ اخبارات میں واہ واہ ہو رہی ہے۔ وہ اپنی سابقہ روایات پر قائم ہیں۔ حالانکہ ان کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی ان کاروائیوں پر بھرپور بحث کریں اور عوام کو کھرے کھوٹے سے آگاہ کریں لیکن اس سے ان کے کاروبار کو نقصان پہنچنے اور اشتہارات بند ہونے یا حکومت اور پریس کے درمیان رابطہ کے لیے قائم ہونے والی مشاورتی کمیٹی سے اخراج کا ڈر لاحق ہوگا۔ "الفتح" اِس گندے جوہڑ میں کنکر مارنے کی ابتدا کر رہا ہے۔ قارئین اس میں شامل ہو سکتے ہیں تاکہ حکومت اپنی غلطیوں کا ازالہ کرے اور اپنے غلط فیصلوں کو واپس لے ——— (ادارہ)

ابو سفیان

"نئی لیبر پالیسی" نے — جس کا اعلان صدر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے سات ہفتوں کے اندر اندر کیا۔ مزدور عوام اور مزدور دوست عناصر کی تمام وہ خوش فہمیاں دور کر دی ہیں جو وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرے سے وابستہ کر بیٹھے تھے۔ پاکستان کی تاریخ نے مزدور طبقے اور مزدور دوست عناصر پر روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت ایک بار پھر اجاگر کر دی کہ مزدوروں کو اپنے حق کے لیے، سوشلسٹ انقلاب کے لیے 'اپنی طاقت' اپنی پارٹی اور اپنی جدوجہد پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ اور جب تک وہ اپنے کاندھوں کو دوسرے لوگوں اور استحصالی طبقوں کی بندوقوں کے لیے استعمال کرتے رہیں گے اپنے مسائل حل نہیں کر سکتے۔

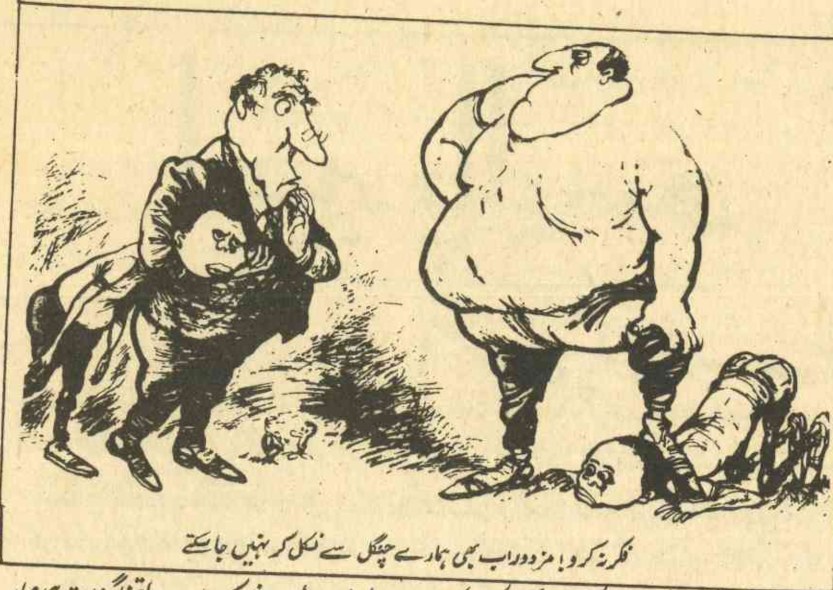
"نئی لیبر پالیسی" کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سرمایہ دار اور مزدور ——— آجر اور متاجر — لوٹنے والے اور لٹنے والے — کے درمیان رشتے یعنی استحصال اور لوٹ کھسوٹ پر کوئی ضرب نہیں لگائی نہ ہی اس کو کمزور کیا ہے لوٹ کھسوٹ کے رشتے کو برقرار رکھا گیا ہے بلکہ اس کو اور زیادہ مستحکم کیا گیا ہے جب کہ سوشلسٹ معیشت میں لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ "نئی لیبر پالیسی" نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ سوشلسٹ معیشت کو قائم کرنے کا نعرہ لگا کر عوام سے ووٹ حاصل کرنے والے نہ تو اس نعرے سے مخلص ہوتے ہیں اور نہ ہی مزدور عوام سے وفادار ہوتے ہیں۔ مزدوروں اور کچلے ہوئے عوام کے ووٹوں پر اقتدار میں آنے والے استحصال کو نئے طریقہ سے جاری رکھتے ہیں۔

اس پالیسی میں بورژوازی نے اپنی انتہائی شاطرانہ چال کے ذریعے مزدوروں کو منظم کرنے کا نعرہ لگا کر ان کے آہنی اتحاد کی اٹوٹ طاقت کو، جس سے ٹکرا کر بورژوازی بار بار ہزیمت خوردگی کا شکار ہوا ہے، مختلف حیلوں بہانوں سے منتشر کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اور مزدوروں کی طاقت کو مزدوروں کی طاقت سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے۔ یونین کے متوازی شاپ اسٹیورڈ سسٹم اور ورکس کونسل کو قائم کیا گیا ہے تاکہ مزدور اتحاد مستحکم نہ ہو سکے اور مزدوروں کی جدوجہد بٹ جائے۔ شاپ اسٹیورڈ سسٹم ایک ایسے ذہن کی ترکیب ہے جس کے نظریات کی منتہا اور لیڈری کی اساس "سرمایہ دار، مزدور مفاہمت" پر ہے اور موجودہ حکومت نے اس تجربے سے حتی المقدور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ورکس کونسل اور شاپ اسٹیورڈ سسٹم کو اس طریقے پر بنایا گیا ہے کہ یونین مفلوج ہو کر رہ جائے۔ ورکس کونسل کے دائرہ اختیار کو بڑھا کر تنازعات کو میز کی بحث میں الجھانے کا جال بُنا گیا ہے۔ اس ضمن میں موجودہ پالیسی نور خان کی لیبر پالیسی سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔

مزدوروں کی سب سے مؤثر طاقت ——— اتحاد اور یونین ——— کو منتشر کرنے کی کوشش کے بعد مزدوروں کے سب سے مؤثر ہتھیار ——— ہڑتال ——— کو کند بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہڑتال کے غیر مشروط حق کو خفیہ رائے شماری کا پابند بنایا گیا ہے تاکہ سرمایہ دار اور انتظامیہ اس میں پوری طرح سے اپنی وولٹوں والی سازشیں کر سکیں۔ ہڑتال کے نوٹس کی میعاد کو اکیس دن سے کم کر کے تین دن کر دیا گیا ہے لیکن کسی بھی فریق کو عدالت میں معاملات کو لے جانے کا حق دے کر یونین اور مزدوروں کو ہڑتال کے حق سے یکسر محروم کر کے عدالت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ عدالت پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ ان معاملات میں ۶۰ دن کی بجائے ۳۰ دن میں اپنا فیصلہ سنا دے۔

لیبر کورٹ کے بارے میں صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ یہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ ہے اور اس کے قیام کا مقصد مزدوروں کو انصاف دلانا نہیں بلکہ مزدوروں کے مسائل کو قانونی گورکھ دھندوں میں پھنسانا ہے۔ تاکہ وہ اپنے مسائل کو تحریک کا رنگ نہ دے سکیں اور قانونی جالوں میں پھنس کر تڑپتے رہیں لہٰذا کسی بھی فریق کے عدالت تک پہنچنے کے حق کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مزدور تحریک کی طاقت کو بے جان بنا دیا جائے۔

اس "نئی لیبر پالیسی" میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزدوروں کو صنعت کی انتظامیہ میں مؤثر طور پر شرکت کرنے کا موقع دیا جائے گا اور فیکٹری کی سطح پر کچھ حالات میں مزدوروں کو بیس فیصد نمائندگی دی جائے گی۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیکٹری، مل ——— صنعت چلانے میں مزدوروں کی شراکت داری قبول کر لی گئی ہے لیکن اگر اس معاملے کی تہہ تک جائیں تو اس بورژوا نظام نے مزدوروں کو شراکت داری کا نام دے کر ایک اور صریح دھوکہ دیا ہے اور وہ یہ کہ ان کی یہ



فکر نہ کرو! مزدور اب بھی ہمارے چنگل سے نکل کر نہیں جا سکتے

شراکت داری پیداوار کی حد تک بنائی گئی ہے۔ یعنی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں مزدوروں کو شراکت داری کرنا ہے۔ اس پیداوار کے پھل اور منافع میں مزدوروں کی شراکت داری نہیں ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے اس میں بونس کو لازمی قرار دیا ہے اس کے علاوہ اضافی منافع میں دس فیصد حصہ بھی مزدوروں کو دیا جانا قرار پایا ہے لیکن منافع اور اضافی منافع کے اعلان کا دارومدار سرمایہ دار پر ہے یہ صحیح ہے کہ بعض صورتوں میں مزدوروں کو آڈیٹرز مقرر کرنے کا حق اشک شوئی کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔ وہ سرمایہ دار جو حکومت کے انکم ٹیکس اور ٹیکسیشن ڈیپارٹمنٹ اور دیگر ایجنسیوں کو اپنے "حساب کتاب" دکھا سکتے ہیں وہ مزدوروں کے مقرر کردہ آڈیٹروں کی گرفت میں کس طرح آ سکتے ہیں لہٰذا منافع اور اضافی منافع کے اعلان پر کس طرح مجبور کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا پھر منافع اور اضافی منافع کی صورت میں ملنے والے بونس اور اضافی بونس سے مزدور کس طرح بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

جبری چھانٹی اور ملازمت سے برطرف کیے جانے پر برطرفی کی وجوہات کو تحریری طور پر دیا جانا بھی کاغذی خوش کن بات ہے۔

ٹھیکیداروں کے تحت کام کرنے والوں پروجیکٹ ایکٹ اور اسٹینڈنگ آرڈرز اور نجی ملازمین پر سوشل سیکورٹی اسکیم کا لاگو کرنا یقیناً متعلقہ مزدوروں کو چند بنیادی سہولتیں پہنچانے کے مترادف ہے۔ ان متعلقہ مزدوروں کی تعداد عام مزدوروں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔

سوشل سیکورٹی اسکیم میں مزدور کا جز ۲ حصہ ختم کر کے سرمایہ دار کے جز ۴ حصے کو بڑھا کر جز ۶ کر دینا۔ بوڑھے ہونے پر پنشن جاری کرنا۔ لازمی گروپ انشورنس اسکیم سرمایہ دار کے منافع کے اتھاہ سمندر میں سے وہ چند قطرات ہیں جن پر وہ حکومت کسی طور پر ناز نہیں کر سکتی۔ جس کی بنیاد میں مزدوروں اور کچلے ہوئے انسانوں کی تمنائیں دبی ہوئی ہیں۔ ان سہولتوں سے ایک مزدور کو چھ روپے سے دس روپے ماہوار تک کا فائدہ پہنچنے کا امکان ہے۔ اور یہ روپے بھی سہولت کے لحاظ سے ملیں گے اس کے ہاتھ میں نہیں آئیں گے۔

سرمایہ دار پر اپنے مزدور کے ایک بچے کو لازمی طور پر میٹرک تک تعلیم دلانا بہت خوش کن نعرہ ہے لیکن مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے سرمایہ داروں نے مزدوروں کا استحصال کر کے اس کی یہ حالت بنا دی ہے کہ وہ مفت تعلیم کی صورت میں بھی اپنے بچے کو "تعلیم کی عیاشی" سے ہمکنار نہیں کرا سکتا۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بچہ تھوڑا سا بھی بڑا ہو جائے تو کسی کام سے لگا دیا جائے۔ تاکہ وہ کچھ کما سکے۔ اس صورت میں اس سہولت سے کتنے فیصد خواندگی بڑھے گی یہ موجودہ حکومت کو معلوم ہی ہو گا۔

علاوہ بریں ٹریڈ یونینز کو ترقی دینے کی غرض سے حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک ایسی اتھارٹی قائم کی جائے جس کے مندرجہ ذیل تین مقاصد ہوں:-

(الف) حقیقی ٹریڈ یونینز کو ٹریڈ کے لحاظ سے بڑھانا اور یونین کے نمائندہ کردار کا تحفظ رکھنا۔

(ب) انڈسٹری کی بنیاد پر یونینوں کی فیڈریشنیں بنانے میں مدد کرنا۔

(ج) قومی سطح پر فیڈریشنوں کو ایک کرنے کی کوشش کرنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو خفیہ طور پر ہوتا رہا تھا کہ حکومتِ وقت چھپ چھپا کر مزدوروں میں

یونین کو کمزور کرنے لئے

متوازی شاپ سٹیورڈ سسٹم

اور ورکس کونسل قائم کر دی گئی

یونینوں اور فیڈریشنوں کے ذریعے اپنے چمچے پیدا کرتی تھی اب علی الاعلان پالیسی کے تحت کرے گی اور اس طرح سے مزدور تحریک کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کرے گی۔

کم از کم اجرت کی شرح نہ بڑھانے کے سلسلے میں صدر بھٹو نے جو دلائل پیش کیے ہیں۔ وہ یقیناً نہایت ہی عیار سرمایہ دارانہ نظام کی عکس کشی کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کم از کم اجرت کے مسئلے پر انہوں نے بہت سنجیدگی سے غور کیا۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے جلد بازی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ صرف دو سال پہلے کم از کم اجرت میں اضافہ کیا گیا تھا لیکن اس سے مزدور کو متوقع فائدہ نہیں پہنچا، نہ ہی مزدور کی قوت خرید بڑھی۔ اس کے نتیجہ میں چیزوں کی قیمتوں میں شدید اضافہ ہونا شروع ہوا جس کا اب تک کوئی سدِ باب نہیں ہو سکا ہے۔ کم از کم اجرت بڑھانے سے پہلے یہ از بس ضروری ہے کہ قیمتوں کو استحکام دیا جائے تاکہ کم از کم اجرت بڑھانے کا فائدہ عملی طور سے مزدور کو پہنچ سکے۔ یعنی سرمایہ داروں کو اپنی پیداوار (جنس) کی قیمت بڑھانے کی کھلی چھٹی ہے جس کا براہ راست اثر مزدوروں اور دوسرے غریب طبقوں کے افراد کی زندگیوں پر براہ راست پڑ رہا ہے لیکن مزدوروں کو اپنی پیداواری جنس ــــ محنت کی قوت ــــ کی قیمتیں بڑھانے کا حق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے ملک میں INFLATION پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ یہ وہ بوسیدہ سرمایہ دارانہ دلیل ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی قبر کھودنے پر منتج ہوتی ہے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے جب سابق صدر ایوب خان سے معاہدہ تاشقند کے دوران تضادات پیدا ہو گئے تو انہوں نے محنت کش عوام ــــ مزدوروں ــــ کسانوں اور دانشوروں کا سہارا لیا۔ اور اس سلسلے میں مزدوروں اور کسانوں نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ ان کو ساتھ رکھنے کے لیے پیپلز پارٹی کو بھی چار نعرے وضع کرنا پڑے "اسلام ہمارا دین ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے، جمہوریت

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں

بین الاقوامی تعلقات

وائٹ ہاؤس کے کھنڈر پر

نکسن حکومت نیا پلستر چڑھا رہی ہے



پیکنگ سے احفاظ الرحمان نے لکھا

نکسن آیا اور چلا گیا اور لوگ اب تک قیاس آرائیاں کر رہے ہیں کہ وہ کیا لے کر آیا تھا اور کیا لے کر گیا ہے؟
نکسن اچانک "گوتم بدھ" کیوں بن گیا؟
کیا چین کے رہنما امریکی سامراج کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہے ہیں؟

جب ہم ان سوالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ نکسن تھا جس نے بعض سفارتی حلقوں کے ذریعے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ چین کا دورہ کرنا چاہتا ہے۔ آخر امریکی حکومت بیس سال کے بعد اچانک میاں مٹھو کیوں بن گئی، اس کے لیے شاید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اپنے تضادات اتنے شدید ہو گئے ہیں کہ اسے اپنی سابقہ پالیسیوں کو "خوشنما رنگوں" سے سجانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کل کا امریکہ آج کے امریکہ سے مختلف ہے۔ کل کا وائٹ ہاؤس آسمان کی بلندیوں سے دنیا پر قہقہے برساتا تھا لیکن آج کا وائٹ ہاؤس دھیرے دھیرے کھنڈر میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے اور امریکی سامراج اس پر نیا پلستر چڑھانے کے لیے جتن کر رہے ہیں

آج امریکی سامراج کو ہر محاذ پر تابڑ توڑ شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہند چینی کے حریت پسندوں نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ خود نکسن کو اس کا اعتراف کرنا پڑا یہی وجہ ہے کہ اس نے کسی حد تک مدافعانہ حملہ آوری کی تدبیر اختیار کرتے ہوئے VIETAMIZATON —— COMBODIAIZATION اور LAOSIZATION کے منصوبوں پر عمل شروع کر دیا ہے اور ویت نام سے اپنی افواج کے انخلاء پر رضامند ہو گیا ہے۔ ابھی وہ اس صدمہ سے جانبر نہیں ہونے پایا تھا کہ چین کو اس کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اقوام متحدہ کا رکن منتخب کر لیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے ایسے ممالک نے بھی جو معمولی معمولی سے اقدامات کرنے سے پہلے وائٹ ہاؤس کے پھیرے لگاتے تھے، چین سے سفارتی تعلقات قائم کر لیے۔ یہ سفارتی سطح پر امریکہ کی بدترین شکست تھی۔ لاطینی امریکہ کے ممالک بھی اس کے لیے مستقل دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی اہم صنعتوں کو قومیا لیا ہے اور امریکی سامراج کی دھمکیوں کے باوجود سمندر میں دو سو میل تک اپنی حدود میں توسیع کر لی ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک نے، جن کی سیاست امریکہ سے کہیں زیادہ پرانی ہے اس کا جنازہ نکلتے دیکھ کر اپنے بلاک کو اور مضبوط کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔

یوں تو مغربی یورپ اور امریکہ کے درمیان مفادات کا تضاد پہلے سے موجود تھا لیکن پچھلے سالوں میں اس نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ اسے ان پر گرفت قائم رکھنے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مغربی جرمنی نے اپنے قومی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے سوویت یونین سے باہمی سلامتی کا معاہدہ کر کے اُسے بتا دیا ہے کہ وہ اپنے قومی دفاع کی قیمت پر امریکہ کا دفاع نہیں کرے گا۔

افریقہ میں شروع ہی سے آزادی اور خود مختاری کی تحریکیں بہت مضبوط رہی ہیں اور امریکی سامراج کو اِس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ وہ اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں اپنی پٹھو حکومتوں اور فوجی بغاوتوں کے ذریعے افریقہ میں زیادہ عرصہ تک اپنے سرمائے کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف اِس کے پرانے حریف سوویت یونین کی پتنگ ذرا اونچی اڑ رہی ہے اور وہ اس کی ان ہزیمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سفارتی محاذ پر پہلے سے زیادہ کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ اس دوران وہ متعدد ممالک سے، جن میں مصر، بھارت اور جرمنی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، معاہدے کر کے اپنی پوزیشن کو اور مضبوط بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ پھر وہ پچھلے ایک سال کے دوران "بنگلہ دیش" کے مسئلہ سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے اور خلیج بنگال میں اپنے قدم مضبوط کرتا رہا۔ اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ بھارت پر، جو آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے اس کی گرفت پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو چکی ہے۔ چنانچہ امریکی سامراج کو اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ دنیا کا توازنِ قوت تیزی سے بگڑ رہا ہے اور یہ کہ وہ اپنی حریف دو بڑی طاقتوں میں سے صرف ایک سوویت یونین کو اہمیت دے کر ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کرتا رہا ہے۔ یہ پندرھویں صدی کے برطانیہ کی وہی پالیسی ہے جس کا خالق الزبتھ اول کا وزیر اعظم ولزلے جو اپنی دو حریف طاقتوں فرانس اور اسپین کے درمیان توازنِ قوت قائم کرنے کے لیے کبھی ایک کا ساتھ دیتا تھا اور کبھی دوسرے کا! اور جس پر برطانیہ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ عمل کرتا رہا جب تک کہ ہٹلر کے جرمنی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پالیسی کا جنازہ نہ نکال دیا۔

پھر اندرونِ ملک امریکی سامراج کو اپنے عوام کی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو اس کی تاریخ کا ایک بے مثال اور بالکل نیا عنصر ہے۔ ویت نام کی جنگ نے امریکی عوام میں بیداری کی لہر دوڑا دی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آخر مختلف ممالک کے اندر جنگوں میں الجھ کر وہ کیا کھوتے ہیں اور کیا پاتے ہیں؟ خاص طور پر امریکی طلباء اور نوجوانوں کی تحریک نے اس پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے کہ وہ بوکھلا اٹھا ہے۔ یہاں تک کہ خود نکسن نے ۹ فروری کو کانگرس کے سامنے خارجہ پالیسی کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے وقت اس خطرے کا احساس

دلایا ہے کہ اگر امریکہ ہند چینی کی جنگ میں الجھا رہا تو اس کا معاشرہ منقسم ہو جائے گا۔ پھر اس طرف اس کی سب سے بڑی حلیف جاپانی حکومت کو بھی مختلف مسائل پر اپنے عوام کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہاں طلباء اور نوجوان پولیس اور فوج سے دست بدست لڑائی لڑتے ہیں اور اپنی حکومت کی عسکریت پسندی کی مذمت کرتے ہیں۔ پھر وہاں چین کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا مطالبہ بھی زور پکڑتا جا رہا ہے ــــــ "مرے پر سو دُرّے"۔ امریکی سامراج کا ڈالر دیوتا بھی، جس کے ذریعے وہ دنیا کے ممالک کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے منہ کے بل زمین پر آ رہا، اور اس مسئلے پر جاپانی سرمایہ داروں سے اس کے تضادات اور ابھر آئے۔

نکسن نے جب چند ممالک کے سفارتی حلقوں کے ذریعے چین آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا تو اس کے پیچھے یہی عوامل کارفرما تھے۔ وہ امریکی سرمایہ داروں کے لیے ایک ایسی پالیسی ترتیب دینے کی کوشش کر رہا ہے جس کے ذریعے ان بدلتے ہوئے حالات میں ان کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ اس کے لیے اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔ وہ دنیا بھر کے تشہیری اداروں کے ذریعے اپنی نام نہاد امن پسندانہ پالیسیوں کا پرچار کر رہا ہے اور اس خواہش کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے امن کا ورثہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیاب رہا ہے کہ اس نے اپنے دَورے کی خبر کو چاند کی تسخیر کے بعد دنیا کی سب سے بڑی خبر بنا دیا ہے۔

نکسن کا دورۂ چین

سامراج کی

گردن میں

ایک مضبوط پھندا!

نکسن نے ۹ فروری کو کانگریس کے سامنے نوّے ہزار الفاظ پر مشتمل جو رپورٹ پیش کی تھی اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ موجودہ حالات میں جب کہ امریکی حکومت کو ہر جگہ منہ کی کھانی پڑ رہی ہے اپنی پالیسیوں میں تدبیری تبدیلیاں لانا چاہتا ہے۔ اس رپورٹ میں وہ اندرونِ ملک بڑھتے ہوئے تضادات کا ذکر کرتا ہے۔ روس سے اپنی اسٹریٹجک رقابت کا حوالہ دیتا ہے، ڈالر کی ناکامیوں کا رونا



روتا ہے۔ اسرائیل، جاپان، کوریا اور متعدد دوسرے ممالک کی پٹھو حکومتوں سے اپنے معاہدوں کے تقاضوں کا ذکر کرتا ہے، چین کی اٹل مخالفت کا ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد وہ امریکہ کی "نئی خارجہ پالیسی کا فلسفہ" پیش کرتا ہے۔ ایک ایسا فلسفہ جس کے تحت وہ بدلتے ہوئے حالات میں اپنی برتری قائم رکھ سکے۔ نکسن اور کیسنگر کی اس نئی خارجہ پالیسی کا فلسفہ توازنِ قوت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس وقت دنیا میں پانچ بڑی طاقتیں ہیں، امریکہ، روس، جاپان، مغربی یورپ اور چین ــــــ اور چونکہ وہ ان میں سے چین کو اب تک نظر انداز کرتا رہا ہے۔ اس لیے اب ضروری ہو گیا ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑی آبادی والے ملک سے جو اب نیوکلیائی طاقت بن گیا ہے، اپنے تعلقات معمول پر لانے کی کوشش کرے۔

امریکہ چونکہ سیاست کی روایاتی شطرنج کا کھلاڑی ہے اس لیے وہ ایسی چالوں کو ذرا زیادہ ہی اہمیت دیتا ہے یہاں ہم اس بات پر بحث نہیں کریں گے کہ امریکہ کی اس پالیسی کا کیا حشر ہوگا۔ "برطانیہ عظمیٰ" کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ فرانس اور اسپین کے درمیان "توازنِ قوت" قائم کرتے کرتے وہ ایک جزیرے میں سمٹ کر رہ گیا ہے نکسن کی اس پالیسی کا انجام اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کی یہ پالیسی خود امریکی سامراج کی تباہی کی علامت بن جائے گی کیونکہ وہ اس حقیقت کو زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا کہ اس کا سامنا چینی راہنماؤں سے ہے۔ جو اصولوں کی قیمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ ۲۸ فروری کا مشترکہ اعلامیہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

چینی رہنماؤں کی پالیسی کا تجزیہ کرتے وقت پھر اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اس سلسلے میں پہل انہوں نے نہیں کی ہے بلکہ یہ امریکہ ہے جو مختلف ممالک رومانیہ، کینیڈا اور پاکستان کے ذریعے چین کی طرف ہاتھ پھیلاتا رہا ہے ظاہر ہے، چینی رہنماؤں کو اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سفارتی محاذ پر ان کی ایک اور فتح ہے کہ امریکہ جو پچھلے بیس سال سے ہر محاذ پر اور ہر ذریعے سے

چین نے امریکہ کو جواب د...

امریکہ اپنے داخلی اور بیرونی تضادات...

اس کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اب خود جھک کر مفاہمت کی راہ اختیار کر رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چین کے رہنماؤں کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ نکسن منافقت کے تحت اپنے اندرونی تضادات سے مجبور ہو کر، چین سے اپنے تعلقات معمول پر لانا چاہتا ہے۔ چین کے لیڈروں کو پوری طرح اس بات کا احساس ہے لیکن وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ دشمن کے تضادات سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دشمن اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ انجام اس کی اپنی پسند کے مطابق ہوگا۔ سامراجیوں کی اپنی منطق ہوتی ہے اور ہماری اپنی! اس کی منطق ہمیشہ گمراہ کن ہوتی ہے اور ہماری منطق ہمیشہ حقائق سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ کامیابی کس کی ہوتی ہے اس کا فیصلہ وقت کرے گا اور وقت کا آخری فیصلہ ہمیشہ عوام کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے۔ چینی رہنماؤں نے ہمیشہ عوام کی خواہشات کا احترام کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اصول کبھی نہیں بیچے۔ وہ موم کے پتلے نہیں کہ نکسن کی "امن پسندی" کی آنچ سے پگھل جائیں گے۔ انہیں اس حقیقت کا پوری طرح علم ہے کہ قصاب اپنا چھرا پھینک کر گوتم بدھ کبھی نہیں بنتا۔ وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں۔ ان کو نکسن اور امریکی سرمایہ داروں کے منصوبوں کا پوری طرح علم ہے۔ مشترکہ اعلامیہ شروع سے آخر تک پڑھ جائیے کہیں اس بات کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ چین اپنے مؤقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹا ہے۔ چین نے اقوام متحدہ کی رکنیت اس لیے قبول کی تھی کہ وہ سامراجیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اور محاذ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سفارتی محاذ ــــــ اور اب وہ پھر اسی سفارتی محاذ سے امریکی سامراج پر ایک اور ضرب لگانا چاہتا ہے۔ دُور کی بات نہیں ہے جب ویت نام نے پہلی بار امریکہ سے مذاکرات کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ویت نام کے رہنما عملی جدوجہد کی راہ سے انحراف کر رہے ہیں۔ لیکن ہُوا یہ کہ ویت نام ایک طرف پیرس مذاکرات میں بھی حصہ لیتا رہا اور دوسری طرف سنگینوں سے امریکی سامراج پر کاری ضربیں بھی لگاتا رہا۔ پھر پیرس مذاکرات میں امریکہ نے جس طرح منفی روّیہ اختیار کیا۔ اس سے وہ دنیا کے سامنے اور بے نقاب ہو گیا۔

جو لوگ چین پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ امریکی سامراج سے

صد

بار با

مـ

چیـ

کا

د

یا: ”جہاں ظلم ہوگا وہاں مزاحمت ہوگی“

ے سے مجبور ہوکر چین کے دروازے پر پہنچا



سوویت یونین کے خلاف گٹھ جوڑ کر رہا ہے۔ انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ خود امریکہ ہے جو چین کو یک و تنہا کرنے کے لیے چاروں طرف سے اس کی ناکہ بندی کرتا رہا ہے۔ ورنہ چین کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی کہ امریکہ سے اس کے تعلقات معمول پر آ جائیں۔ سوویت یونین سے اس کے اختلافات تو آج پیدا ہوئے ہیں، چین تو بہت پہلے اور بار بار اس بات پر رضامندی کا اظہار کر چکا ہے۔

جاپان کے خلاف جنگِ مزاحمت کے دوران صدر ماؤ نے بارہا بین الاقوامی امداد کے ضمن میں امریکہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ امداد محض زبانی تھی اور اس کی بنیاد ہٹلر اور ٹوجو سے اس کے تضادات تھے۔ بہرحال جب چین میں کمیونسٹ پارٹی ملک گیر پیمانے پر ابھر کر سامنے آئی تو امریکہ کے حکمرانوں کو اپنے مفادات خطرے میں نظر آئے۔ اور انہوں نے چیانگ کائی شک ٹولے کو بہت بڑے پیمانے پر امداد دینے کا سلسلہ شروع کر دیا شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسٹالن کا روس چین کی مدد کر رہا تھا اور روس امریکہ کے سب سے بڑے حریف کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھر رہا تھا اس لیے حکمران چینی کمیونسٹوں کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے کیونکہ چین کی قوت روس کے ہاتھ مضبوط کرتی تھی۔ پھر ۱۹۵۰ء میں کوریا کی جنگ نے چین اور امریکہ کے تعلقات اور کشیدہ کر دیئے۔ اور ہند چینی میں امریکی سامراج کی جارحیت نے کسی قسم کی مفاہمت کی راہ بند کر دی۔ ۱۹۵۵ء میں افرو ایشیائی قوموں کی بنڈونگ کانفرنس میں مسٹر چو این لائی نے پہلی بار یہ اعلان کیا کہ چین مشرق بعید میں کشیدگی کم کرنے کے لیے امریکہ سے بات کرنے پر رضامند ہے ۱۹۵۸ء میں ایک بار پھر چو این لائی نے بیان دیا کہ چین امریکہ سے سفارتی سطح پر مذاکرات کرنے کو تیار ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ چین نہیں تھا جو افہام و تفہیم کی راہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں تھا بلکہ یہ امریکی سرمایہ داروں کی حکومتیں تھیں جو چین کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی تھیں اور اب نکسن نے چین آنے کے لیے ہاتھ پھیلایا تو ظاہر ہے چینی رہنماؤں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ ۲۸ فروری کے مشترکہ اعلامیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چینی رہنما کسی بھی قسم کی سودے بازی نہیں کریں گے۔ نکسن نے چین آنے کی درخواست کی تو چین کے

لیڈروں نے بجا طور پر اسے اپنی فتح قرار دیا۔ کیونکہ بالآخر وہ امریکی سامراج کو اس مقام پر کھینچ لائے ہیں۔ جہاں سے وہ اس کو بالکل کمزور کر سکتے ہیں۔

جہاں تک کہ خود نکسن کو بھی اس بات کا علم ہے کہ چینی رہنماؤں سے معاملات طے کرنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ دیکھیے کہ اسے چینی رہنماؤں کو خوش کرنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے وہ پہلے سے یہ کہہ رہا تھا کہ اسے معلوم نہیں کہ مذاکرات نتیجہ خیز ہوں گے یا نہیں۔ وہ کتنا غیر مطمئن اور پریشان نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۴ فروری کو اس نے مشہور فرانسیسی ادیب آندرے مالراکس کو جو چین کی سیاست پر گہری نظر رکھتا ہے اور صدر ماؤ کا دوست سمجھا جاتا ہے، اپنے پاس بلا کر گھنٹوں اس سے گفتگو کی تاکہ وہ اس بات کا تعین کر سکے کہ چینی رہنماؤں سے اسے کس انداز میں مذاکرات کرنے ہوں گے۔

نکسن کے آنے سے صرف چند روز قبل چین کے تین ممتاز اخبارات نے اپنے مخصوص روائتی انداز میں، پوری شدت کے ساتھ ویت نام میں امریکی سامراج کی مذمت کی تھی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ چین اپنے مؤقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ عام طور پر جب کسی ملک کا سربراہ چین کا دورہ کرتا ہے تو ایئرپورٹ پر ہزاروں شہری اس کا استقبال کرتے ہیں۔ ہر جگہ پھولوں کے رنگ برنگے گلدستے مسکراتے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب دنیا کے سب سے بڑے ملک کے سربراہ نکسن یہاں آیا تو وہاں صرف حکومت کے چند عہدیدار موجود تھے۔ ایئرپورٹ پر بڑے بڑے حروف میں سامراج کے خلاف نعرے لکھے ہوئے تھے جبکہ نکسن ہوائی جہاز سے دانت کھولے ہوئے چو این لائی کی طرف لپک رہا ہے اور چو این لائی کا چہرہ سپاٹ نظر آ رہا ہے۔ البتہ فوجی بینڈ نے امریکہ کے قومی نغمے کی دھن ضرور بجائی کہ یہ امریکہ کے سرمایہ داروں کی میراث نہیں ہے بلکہ وہاں کے عوام کا سرمایہ ہے جنہوں نے برطانیہ کے نوآبادیاتی تسلط کے خلاف مسلح جدوجہد کے ذریعے اپنی آزادی حاصل کی تھی۔ پھر جب نکسن کی کار شہر میں داخل ہوئی تو پیکنگ کی سب سے بڑی شاہراہ چھانگ آن سنسان پڑی تھی، جگہ جگہ بدستور امریکی سامراج کے خلاف نعرے لکھے ہوئے تھے

ہو سکتا ہے کہ دوسرے ملکوں میں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہ ہو لیکن چین میں جذبات کا اظہار اسی طرح کیا جاتا ہے اگر ایئرپورٹ پر چاروں طرف پھول ہی پھول نظر آ رہے ہوں اور پیکنگ کی سب سے بڑی شاہراہ چھانگ آن میں انسانوں کا سیلاب اُمڈ رہا ہو تو آپ اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آنے والی شخصیت چین کے عوام کے لیے قابلِ احترام ہے ضیافتوں کے دوران وزیراعظم چو این لائی نے ہمیشہ امریکی عوام اور چینی عوام کی دوستی کے نام جام تجویز کیا جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چین امریکی عوام کی دوستی کو اہمیت دیتا ہے۔ چو این لائی نے ہمیشہ خاص طور پر امریکی عوام کا بار بار ذکر کیا ہے۔ جہاں تک امریکی سامراج کے ”نمائندے“ سے مذاکرات کا تعلق ہے چو این لائی نے بہت پہلے چند امریکی طلباء سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا جواز بھی پیش کر دیا ہے کہ چین کو نکسن سے کیوں بات کرنی چاہیئے۔ ”چین اور امریکہ کے درمیان موجودہ مسائل نکسن ہی کے ذریعے طے کیے جا سکتے ہیں۔ چونکہ وہ یہاں آنا چاہتے ہیں اس لیے ہم ان سے بات کریں گے۔ کیونکہ اگر تم سربراہ سے بات نہیں کرو گے تو کس سے کرو گے؟“

نکسن کی حکومت اپنی پالیسی کے نئے تدبیری تقاضوں کے تحت گزشتہ تین سال سے چین کو خوش کرنے کے لیے مختلف قسم کے اقدامات کرتی رہی ہے لیکن چین نے امریکہ کو ”خوش کرنے“ کے لیے اسے کوئی مراعات نہیں دیں بلکہ پہلے سے بھی

امریکی صدر کی آمد پر پیکنگ کی شاہراہ ’چھانگ آن‘ سنسان پڑی تھی

زیادہ سرگرمی کے ساتھ دنیا بھر کی اقوام کی حمایت کرتی رہی جو سامراجی اثر سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ سب سے پہلے جولائی ۱۹۶۹ء میں امریکی حکومت نے امریکی سیاحوں، عجائب گھروں اور دوسرے اداروں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ غیر تجارتی چینی اشیا خرید سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکی شہریوں کے لیے چین کا سفر کرنے کی چند شرائط بھی ختم کر دیں۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں امریکی کمپنیوں کی غیر

نکسن
قوالِ
ؤ اور
ہادت
والہ
ے تھے

ملکی شاخوں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ چین اور دوسرے ممالک کے درمیان تجارت کر سکتے ہیں۔ اگست ۱۹۷۰ء میں اعلان کیا گیا کہ اب چین سے آنے اور جانے والے جہازوں کو امریکی بندرگاہوں میں لنگراندازی کی اجازت ہے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں اعلان کیا گیا کہ کسی بھی "قانونی مقصد" کے لیے چین کا سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اپریل ۱۹۷۱ء میں یہ اعلان کیا گیا کہ چین کے جو سیاح امریکہ آنا چاہتے ہیں ان کے لیے ویزا کا حصول ممکن ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کرنسی کنٹرول کی پابندیاں ختم کر دیں تاکہ چین امریکہ سے ڈالر حاصل کر سکے۔ ان جہازوں کے علاوہ جو شمالی کوریا، ویت نام اور کیوبا جاتے ہوں۔ امریکہ کی تیل کمپنیوں کو چین سے آنے اور جانے والے تمام جہازوں کو ایندھن فراہم کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے علاوہ امریکہ کے جہازوں اور طیاروں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ چین کا مال دوسری غیر چینی بندرگاہوں میں پہنچا سکتے ہیں اور غیر ممالک میں رجسٹرڈ امریکہ کے جہاز اور طیارے چینی بندرگاہوں میں جا سکتے ہیں۔ مئی ۱۹۷۱ء میں چین کے ساتھ ڈالر کے لین دین سے دوسری پابندیاں بھی اٹھا لی گئیں۔ جون ۱۹۷۱ء میں چین سے تجارت پر اکیس (۲۱) سالہ پابندی ختم کر کے بیشتر "غیر اسٹریٹجک" اشیا کی تجارت کے لیے لائسنس جاری کرنے کی اسکیم شروع کر دی گئی۔ پھر نکسن کے دورۂ چین سے صرف چند روز قبل ۱۴ فروری کو آخری تجارتی پابندی بھی ختم کر کے تجارت کے سلسلے میں چین کو سوویت یونین کے برابر حیثیت دے دی گئی۔ اور امریکی تاجروں کو چین کے ہاتھ صنعتی اور کیمیاوی اشیا، تعمیراتی سامان اور رولنگ ملز برآمد کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان تمام مراعات کے مقابلے میں چین نے اس دوران امریکہ کو کیا دیا۔ وہ زور شور کے ساتھ پہلے کی طرح ہر محاذ پر امریکی سامراج کی مخالفت کرتا رہا۔ البتہ اس نے دو امریکی قیدیوں کو رہا کر دیا اور تیسرے کی عمر قید کی سزا میں تخفیف کر دی۔

پھر چین میں "دنیا کے سب سے بڑے ملک" کے سربراہ نکسن کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیجئے۔ وہ ہر وقت بتیسی کھولے ہنستا نظر آتا ہے جب کہ چینی رہنماؤں کا چہرہ سپاٹ نظر آتا ہے۔ وہ بات بات پر صدر ماؤ کے اقوال اور ان کی نظموں کے مصرعوں کا حوالہ دیتا ہے۔ ہانگچو کا دورہ کرتے وقت ایک چینی کہاوت کا حوالہ دیتا ہے — "ہانگچو اور سوچو جنتِ ارضی ہیں!!" دیوارِ چین دیکھنے جاتا ہے تو اسے ان لاکھوں مزدوروں کا خیال آتا ہے جن کا لہو اس دیوار میں شامل ہے ثقافتی پروگرام دیکھتا ہے تو اچھل اچھل پڑتا ہے اور پکار اٹھتا ہے "حیرت انگیز — حیرت انگیز!" چین اور چینی رہنماؤں کی تعریفیں کرتے کرتے اس کی زبان سوکھ جاتی ہے۔ اپنے مذاکرات کو "طویل مارچ" سے تعبیر کرتا ہے۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود نکسن کے دورے سے قبل بھی، اور اب بھی دنیا بھر کے رجعت پسند اپنے اپنے انداز میں شور مچا رہے ہیں۔ تائیوان میں کہرام مچا ہوا ہے۔ ۲۱ فروری کو تائیوان کی قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں نکسن کے دورۂ چین پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا اور اب تائیوان کے حکام چین کے خلاف سفارتی محاذ پر بڑے وسیع پیمانے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ دوسری طرف کچھ رجعت پسند خوش ہو رہے ہیں کہ چین امریکہ کے "دام" میں آ گیا ہے۔ یہ خوش فہمیاں انہیں کیا کیا خواب دکھاتی ہیں اس کا اندازہ ایک اخبار کی سرخی سے لگائیے جو سعودی عرب کی حکومت کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے — "امریکہ چین پر حملہ کرتا ہے —!" لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ تکلیف روسی ترمیم پسندوں کو ہو رہی ہے۔ جب ان کے نمائندے خروشیف اور کوسیگن امریکہ کا دورہ کرتے ہیں تو وہ انقلاب کی خدمت کرتے ہیں۔ جب وہ امریکہ کے ساتھ میزیں سجاتے ہیں اور اس کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے ہیں تو وہ دنیا کے امن کو پائیدار بناتے ہیں۔ جب وہ امریکہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرتے ہیں تو وہ حق پر ہوتے ہیں — لیکن جب چین، نکسن کے ناک رگڑنے پر اسے چین کا دورہ کرنے کی دعوت دیتا ہے تو ان پر اختلاج کا دورہ پڑنے لگتا ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں — "چین کمیونزم سے غداری کر رہا ہے۔" روس کے ایک رسالے نے جلے کٹے لہجے میں لکھا ہے — "ہا! چو این لائی کو تو نوبل پرائز ملنا چاہیئے۔!" پھر پورا ترمیم پسند بلاک اور بھارتی توسیع پسند اور بنگلہ دیش کی طفیلی ریاست کے حکمران بھی ان کے سُر سے سُر ملانے لگتے ہیں۔ کوئی ان سے یہ پوچھے کہ "کیا نکسن روس لڈو کھانے جا رہا ہے —؟"

یہ ہے ترمیم پسندوں کی منطق، جو ذہنی طور پر بالکل دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ وہ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ چین اپنے خول میں سمٹا رہے اور سامراجیوں اور ترمیم پسندوں نے چاروں طرف سے اس کی جو ناکہ بندی کر رکھی ہے وہ اس کے حصار میں ہمیشہ گھرا رہے۔ یہ ان کا دنیا پر حکمرانی کرنے کا جذبہ ہے جبکہ چین واضح الفاظ میں کہہ چکا ہے کہ وہ کبھی بڑی طاقت کا رویہ اختیار نہیں کرے گا! وقت یہ ثابت کرے گا کہ امریکی سامراج اب دنیا کے سامنے اور زیادہ بے نقاب ہوتا جائے گا اس لیے کہ سامراجی اصولوں کی بات تو ضرور کرتے ہیں لیکن ان پر عمل کبھی نہیں کرتے۔ نکسن کے دورۂ چین نے امریکی سامراج کی گردن کے گرد ایک اور پھندا ڈال دیا ہے۔

اب ذرا پانچ سو الفاظ پر مشتمل اس اعلامیہ پر نظر ڈالیے جو ۲۷ فروری کو چین اور امریکہ کی حکومتوں کی جانب سے مشترکہ طور پر جاری کیا گیا ہے۔ یہ اعلامیہ بڑے محتاط الفاظ میں لکھا گیا ہے لیکن ہر شخص ان کے مضمرات کا اندازہ لگا سکتا ہے اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ مستقبل میں مختلف امور پر امریکہ کا اور چین کا رویّہ کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں بعض اصول ایسے ہیں جن پر دونوں ممالک کا مؤقف یکساں ہے لیکن بعض امور میں چونکہ ان کے درمیان بہت گہرا اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے ان پر دونوں نے علیحدہ علیحدہ اپنا اپنا مؤقف پیش کیا ہے۔ یہ اعلامیہ واضح طور پر پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصے میں اس دورے کے دوران نکسن کے پروگرام کی تفصیل بتائی گئی ہے جس میں اس کی صدر ماؤ سے ملاقات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بین الاقوامی امور اور باہمی تعلقات کے بارے میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور دو ٹوک انداز میں گفتگو ہوئی۔ دوسرے حصے میں دونوں ممالک کے لیڈروں چو این لائی، نکسن، چی پھنگ فے اور راجرز کے مذاکرات کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ بین الاقوامی صورتِ حال زبردست تبدیلیوں سے گزر رہی ہے، اس لیے ایک طویل عرصے کے بعد دونوں ممالک کے لیڈروں کا اس طرح ایک دوسرے کو اپنے اپنے مؤقف سے آگاہ کرنا دونوں ممالک کے لیے سودمند ہوگا۔ تیسرے حصے میں چین نے اور چوتھے حصے میں امریکہ نے بعض امور پر اپنا مؤقف پیش کیا ہے۔ پانچویں حصے میں ان کا مؤقف یکساں نظر آتا ہے جس میں زیادہ تر اصولوں کی بات کی گئی ہے۔ پھر اس بات کا یقین کیا گیا ہے کہ مستقبل میں چین اور امریکہ کے تعلقات کس سطح پر ہوں گے اور انہیں آگے بڑھانے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں گے۔

چین نے بعض امور پر اپنا مؤقف ان الفاظ میں پیش کیا ہے: "جہاں ظلم ہوتا ہے وہاں مزاحمت ہوتی ہے۔ ممالک آزادی چاہتے ہیں عوام انقلاب چاہتے ہیں۔ انقلاب دنیا کا ایک ناگزیر رجحان ہے۔ بڑے اور چھوٹے ممالک کے درمیان برابری کا رشتہ ہونا چاہیئے۔ چین بڑی طاقتوں کے ڈنڈے کی پالیسی کی مذمت کرتا ہے۔ چین کبھی بڑی طاقت کا رویہ اختیار نہیں کرے گا اور ثابت قدمی کے ساتھ مظلوم اقوام اور عوام کی حمایت کرتا رہے گا۔ ہر ملک کو اپنی آزادی اور خودمختاری کے تحفظ کا حق ملنا چاہیئے۔ دنیا کے



وہ بتیسی کھولے تھے - چینی رہنما کا چہرہ سپاٹ تھا

جن علاقوں میں غیر ممالک کی افواج موجود ہیں انہیں واپس بلا لیا جائے۔ چین، ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا کے عوام کی حمایت کرتا ہے۔ جنوبی ویت نام کی عبوری حکومت کے تین نکات کی حمایت کرتا ہے۔ شمالی اور جنوبی کوریا کے اتحاد کے مسئلہ پر شمالی کوریا کی حکومت کے آٹھ نکات کی حمایت کرتا ہے۔ چین جاپانی عسکریت کی بحالی کی مخالفت کرتا ہے۔ تائیوان چین کا صوبہ ہے اور "دو چین" — "ایک چین ایک تائیوان" کے نظریوں کو مسترد کرتا ہے۔ چین پاکستانی عوام کی غیر متزلزل حمایت کرتا ہے اور اقوام متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں جنگ بندی لائن سے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور جموں اور کشمیر کی جنگ بندی لائن سے بھی اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

دوسری طرف امریکہ نے اپنی دلچسپی کے بعض امور پر اپنا مؤقف اس طرح پیش کیا ہے "امریکہ ان سنگین حالات کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے جو ایشیا اور دنیا کے امن کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ غیر ملکی مداخلت کے خلاف سماجی ترقی اور انفرادی آزادی کی حمایت کرتا ہے۔ غلط واقعات غلط فہمیوں اور غلط اندازوں کے باعث چین اور امریکہ کے درمیان جو کشیدگی پائی جاتی ہے امریکہ اسے گھٹانے کی کوشش کرے گا۔ امریکہ مختلف ممالک کے درمیان پر امن مقابلے کی حمایت کرتا ہے۔ ہر ملک کو اپنے رویّہ میں نظر ثانی کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ وہ اس بات کی حمایت کرتا ہے کہ ہند چینی کے عوام کو غیر ملکی مداخلت سے آزاد رہ کر اپنی قسمت کے فیصلے کا حق ملنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں جنوبی ویت نام اور امریکہ کا آٹھ نکاتی پروگرام امن قائم کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ جنوبی کوریا سے تعلقات کو پائیدار بنائے گا اور وہ کوریا کے دونوں حصوں میں امن قائم کرنے اور رابطہ قائم کرنے کی کوششوں کی تائید کرتا ہے۔ وہ اپنے تعلقات میں جاپان کا سب سے زیادہ احترام کرتا ہے اور آئندہ اس سے اپنے تعلقات کو اور پائیدار بنانے کی کوشش کرے گا۔ آبنائے تائیوان کے دونوں کناروں پر رہنے والوں کا کہنا ہے کہ چین ایک ہے۔ امریکہ اس کی اس حیثیت کو چیلنج نہیں کرتا۔ وہ اس بات کی حمایت کرتا ہے کہ اقوام متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں پاکستان اور بھارت دونوں جنگ بندی لائن سے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

جن نکات پر دونوں ممالک کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں۔ دونوں ممالک کے سیاسی نظام اور خارجہ پالیسیوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ فریقین کو پر امن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ بین الاقوامی کشیدگی کو دور کرنے کے لیے قوت کے استعمال کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے ممالک کے خلاف سودے بازیاں نہیں کرنی چاہیئں۔ ایشیا اور بحرالکاہل میں بالادستی حاصل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کی مخالفت کرنی چاہیئے۔

اعلامیہ کے پانچویں حصے میں دونوں ممالک نے اس بات پر اتفاق کا اظہار کیا ہے کہ امریکہ اور چین کے تعلقات کو آگے بڑھانے کے لیے تجارت ایک ذریعے کی حیثیت رکھتا ہے (واضح رہے کہ پیکنگ میں امریکہ کا بارہ افراد پر مشتمل ایک تجارتی کمیشن پہلے ہی سے کام کر رہا ہے) اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ دونوں ممالک مختلف ذرائع سے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ امریکہ کے اعلیٰ احکام پیکنگ آتے رہیں گے تاکہ تعلقات کو معمول پر لانے میں مدد مل سکے اور مشترکہ مسائل پر تبادلۂ خیال کیا جا سکے۔ دونوں ممالک آپس میں سائنسدانوں، فنکاروں کھلاڑیوں اور صحافیوں کا تبادلہ کریں گے تاکہ اس طرح دونوں ممالک کے عوام قریب آجائیں۔ آخر میں اس بات پر اتفاق کا اظہار کیا گیا ہے کہ نکسن کا دورۂ چین دونوں ممالک کے عوام کے لیے سود مند ثابت ہوگا۔

اس اعلامیہ میں امریکہ نے جاپان کے ساتھ اپنے تعلقات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جاپان کو ایشیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھتا ہے اور اس کے ذریعے ایشیا میں اپنے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر وہ چین کو بھی "بے لگام" چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس کی توازنِ قوت کی پالیسی کا مطلب ہی یہی ہے کہ شطرنج کے تمام مہرے ایک دوسرے کو چیک کرتے رہیں۔ اگر اس نے جاپان کو نظر انداز کر دیا تو عالمی بساط پر اس کے تمام مہرے شکست کھا جائیں گے۔ اسے رُوس کی اس خواہش کا بھی علم ہے کہ وہ جاپان کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لانا چاہتا ہے۔ یقیناً وہ جاپان کی قیمت پر چین کے ساتھ تعلقات قائم نہیں کرے گا۔ دوسری طرف چین نے اپنی طرف سے جاپانی عسکریت کی بحالی کی واضح الفاظ میں مخالفت کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے دو ٹوک انداز میں یہ بھی جتا دیا ہے کہ وہ ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا اور شمالی کوریا کی مسلسل حمایت کرتا رہے گا جبکہ امریکہ اس سلسلے میں اب بھی اپنے پرانے مؤقف پر اڑا ہوا ہے۔ ان تمام حقائق سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فوری طور پر ابھی اس بات کی توقع نہیں ہے کہ امریکہ اور چین کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے۔ البتہ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ امریکہ اور چین کے عوام ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ امریکی سرمایہ داروں کی حکومتوں نے اب تک اپنے عوام کو چین سے دور رکھا ہے۔ اب امریکہ کے شہریوں کو چین آنے کا موقع ملے گا اور جب وہ خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھیں گے کہ چین اس چین سے مختلف ہے جو سی آئی اے کی سرپرستی میں چھپنے والی کتابوں میں نظر آتا ہے۔ تو وہ حقیقت سے قریب ہو جائیں گے۔ اور چین کا وقار ان کی نظروں میں بڑھ جائے گا۔ اس اعتبار سے یہ اعلامیہ چین کے لیے سفارتی محاذ پر ایک بہت بڑی فتح ہے۔

اب ایک بار پھر اس اعلامیے کی روشنی میں اس الزام کا جائزہ لیجئے کہ "چین انقلاب سے غداری کر رہا ہے" اس میں غداری کا پہلو کہاں نظر آتا ہے؟ چینی رہنما اپنے مؤقف سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ کیا عوام کی انقلابی تحریکوں کی حمایت کرنا غداری ہے؟ پر امن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل کرنا غداری ہے؟ چھوٹے ممالک کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا غداری ہے؟ بڑے ممالک کی ڈنڈے کی پالیسی کی مخالفت کرنا غداری ہے؟ دنیا کے عوام اب اپنے تجربات کی روشنی میں خود ہی ان ترمیم پسندوں اور غداروں کا چہرہ دیکھ رہے ہیں جو انقلاب کے بجے پارلیمانی راہ کی وکالت کر کے گندی نالی میں جا گرے ہیں۔ سرمایہ داری کے مُردے میں جان ڈالنے کی کوشش کون کر رہا ہے؟ مختلف ممالک میں سازشوں کے ذریعے فوجی بغاوتوں کو ہوا کون دے رہا ہے؟ پولینڈ ہنگری، چیکوسلواکیہ کی سڑکوں پر کس کے ٹینک دندناتے پھر رہے ہیں؟ انقلاب کے معلموں کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر کون پیش کر رہا ہے؟ دوسرے ممالک کو نئے نوآبادیاتی نظام کا نشانہ کون بنا رہا ہے؟ اگر امریکہ کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنا غداری ہے تو انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جاپان کے خلاف جنگِ مزاحمت کے دوران کامریڈ سٹالن کا روس جاپان سے ——— تجارت کرتا رہا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے چینی انقلاب کی حمایت سے کبھی منہ نہیں موڑا خیر اسٹالن تو ان کے نزدیک مطعون ٹھہرے وہ ذرا خود اپنا نامۂ اعمال دیکھیں۔ وہ بہت پہلے سے امریکہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ وسیع پیمانے پر تجارت کرتے ہیں اور اب وہ کریملین

چین کے رہنما موم کے پُتلے نہیں ہیں کہ نکسن کی امن پسندی کی آنچ سے پگھل جائیں

ہیں نکسن کا استقبال کرنے کے لیے چشم براہ ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ چین کو خوشحال نہیں دیکھنا چاہتے۔ وہ چین کی ناکہ بندی کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے چین کو بے یار و مددگار کرنے کے لیے ایشیا کے ممالک کے لیے سوشل سیکورٹی کا منصوبہ پیش کیا، چین پاڑ میں چین کے علاقہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس کے حریف بھارت کی سرپرستی کی۔ چین کو سوشلسٹ کیمپ میں بے یار و مددگار کرنے کے لیے سَو سَو جتن کیے اور اب اس نے چین کی سرحد پر دس لاکھ فوج لگا رکھی ہے۔

ابھی حال ہی میں سوویت یونین میں ۱۷۴ صفحات پر مشتمل ایک جیبی کتابچہ شائع ہوا ہے جس میں دنیا کے مختلف ممالک کی ۱۰۸ کمیونسٹ پارٹیوں کے بارے میں اعداد و شمار دیئے گئے ہیں لیکن اس میں چین اور اس کے نظریاتی دوست البانیہ کے بارے میں ایک حرف تک نہیں ہے۔

نکسن کا دورۂ چین دور رس اہمیت کا حامل ہے۔ مغربی پریس کا کہنا ہے کہ چین جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اس کا تین چوتھائی حصہ حاصل کر چکا ہے لیکن بات صرف اتنی سی ہے کہ چین نے اخلاقی فتح حاصل کی ہے اور اس فتح سے دنیا کے ممالک میں اس کا وقار اور بھی بلند ہو جائے گا۔ صدر ماؤ کی ڈپلومیسی، چیانگ کائی شیک کی غلامانہ ڈپلومیسی کو شکست دے چکی ہے۔ اب وہ تائیوان کے عوام کی خواہشات کو زیادہ دیر تک نہیں کچل سکے گا۔ وہ بیس سال سے چینی رہنماؤں کو تائیوان کے عوام کے سامنے خونخوار بھیڑیوں کے روپ میں پیش کرتا رہا ہے۔ لیکن اب وہاں کے عوام زیادہ تیزی سے بیدار ہوں گے اور وہ دن دور نہیں جب سورج ان کے لیے آزادی کی روشنی لے کر آئے گا۔ ان کا ملک چین کیسا ہے اور کیا ہے، اب وہ اس بات سے زیادہ عرصے تک لاعلم نہیں رکھے جا سکتے۔ تائیوان کے حکام اب سفارتی محاذ پر زیادہ سرگرمی سے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ وہ ان ممالک سے تعلقات منقطع کرنے کی پالیسی کو الوداع کہہ دیں جو عوامی جمہوریہ چین سے سفارتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اس وقت وہ ایسے پانچ ممالک، لیبیا روانڈا، سینیگال، ارجنٹائن اور ٹوگو سے اب تک تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں —— لیکن ڈوبتا ہوا شخص اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلاتا ہے اور زیادہ تیزی سے ڈوبتا چلا جاتا ہے۔

جاپان کے لیڈروں نے اعلان کیا ہے کہ ان کی پالیسی نکسن کی چائنا پالیسی سے مختلف نہیں ہے۔ جاپان کے وزیر خارجہ فکودا نے کہا ہے کہ وہ خود پیکنگ جا کر چینی رہنماؤں سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ جاپان میں چین کے حامیوں کی تحریک زور پکڑ رہی ہے اور جاپانی عسکریت پسندوں کو اپنے اس اندرونی تضاد سے مجبور ہو کر چین سے کسی نہ کسی سطح کے تعلقات قائم کرنے پڑیں گے۔ لیکن چین سے ان کے اختلافات سنگین نوعیت کے حامل ہیں اور وہ کبھی اس سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ پھر پچھلے دنوں روس کے چند لیڈروں نے جاپان کے پھیرے لگانے شروع کر دیئے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ جاپانی سرمایہ داروں اور امریکی سرمایہ داروں کے درمیان تضادات بڑھتے جا رہے ہیں۔ جاپان تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور اسے بڑی بڑی منڈیوں کی تلاش ہے۔ جاپان کے وزیر خارجہ فکودا نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ آندرے گرومیکو کا دورۂ جاپان اس کی توقعات سے کہیں زیادہ کامیاب رہا۔ امریکہ کے مقابلے میں جاپان میں تائیوان کی لابی زیادہ مضبوط ہے۔ بہر حال وہاں اس وقت مختلف قسم کے عناصر کام کر رہے ہیں اور پوری طرح اس بات کی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ مستقبل میں ان میں سے کونسا عنصر غالب حیثیت حاصل کر لے گا۔ امریکہ ہر ممکن طریقے سے جاپان کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں۔ وہ جاپان کی قیمت پر چین سے تعلقات نہیں بڑھائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بھارت کو بھی اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرے گا۔ ورنہ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ بھارت غیر جانبدار رہے۔ کیونکہ اسے اس بات کا احساس ہے کہ روس ان دونوں بھارت پر بڑی زبردست "سرمایہ کاری" کر رہا ہے اور اگر بھارت کے رہنما ایشیا کی "چودھراہٹ" کا خواب دیکھتے رہے تو ان کی یہ خواہش انہیں کسی نہ کسی فیصلہ کن موڑ پر لے جائے گی۔ اس کی آبادی اس کی ان خواہشات کو ہوا دیتی ہے لیکن صنعتی پسماندگی ان کو اس بات کا موقع نہیں دے گی اس لیے فوری

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

حکومت یونینوں اور فیڈریشنوں کے ذریعے اپنے چمچے پیدا کرے گی

صفحہ ۱۶ سے آگے

ہماری سیاست ہے، تمام اقتدار عوام کے لیے ہے!"

جب ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان بنے تو ملک کے مزدوروں نے جائز طور پر ان کو اپنے مسائل کا مسیحا سمجھا اور پچیس سال کے دُکھ اور درد کھول کر رکھ دیئے، اسی طرح جس طرح انہوں نے صدر بھٹو کی جب وہ اقتدار سے محروم تھے، حمایت کی تھی۔ انہوں نے اپنے اوپر کی گئی زیادتیوں کا محاسبہ کرنا شروع کر دیا اور اس کے لیے انہوں نے اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں کو بیان کرنا شروع کر دیا لیکن پاکستان پیپلز پارٹی پر —— جو نعروں کے لحاظ سے مزدوروں اور محنت کشوں کی جماعت ہے لیکن اس میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کے محافظوں پر یہ بھی گراں گزرا۔

مزدوروں اور محنت کشوں کے شعور کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تنخواہوں میں اضافے کے مطالبے نہیں کیے بلکہ ان کے مطالبے تھے کہ گزشتہ دور میں ان پر جو مظالم کیے گئے اور ان کے جو حق مارے گئے وہ ان کو دیئے جائیں، اس لیے کہ وہ اس حکومت کے مخالف نہیں تھے لیکن برسر اقتدار لوگوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔

صدر بھٹو نے اپنے بیان میں گھیراؤ اور جلاؤ کی مذمت کی۔ گھیراؤ اور جلاؤ کا ہوّا کھڑا کر کے سرمایہ داروں کی پشت پناہی مقصود تھی ورنہ جلاؤ کا تو ایک بھی واقعہ نہ ہوا۔ مزدوروں نے اپنے مطالبات کے لیے جمع ہو کر اپنا حق طلب کیا تو اس کو گھیراؤ کا نام دے دیا گیا۔ مزدوروں نے اپنے شعور کو کام میں لے کر جہاں کہیں گھیراؤ کیا وہاں پیداواری کام کو بھی جاری رکھا بلکہ پیداوار کو بڑھا کر بھی دکھلایا۔

اس کے برعکس سرمایہ داروں نے ملیں بند کر کے اس دوران حکومت کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی کوشش کی۔ سرمایہ داروں کی اور کوششیں جو اس حکومت پر زور ڈالنے کے لیے کی گئیں وہ سب پر ظاہر ہیں لیکن صدر بھٹو نے بھی مزدوروں سے انصاف نہ کیا۔ گھیراؤ اور جلاؤ کا ہوّا کھڑا کر کے مزدوروں کو دھمکی دی کہ سڑکوں کی طاقت کو ریاست کی طاقت سے کچل ڈالا جائے گا۔

صدر صاحب! آپ کو تو یاد ہی ہوگا کہ سڑکوں کی طاقت نے ہی آپ کو ریاست کا اقتدار دیا ہے۔ آپ سے پہلے سڑکوں کی طاقت کو ریاست کی طاقت نے کچلنے کی کوششیں کی تھیں —— لیکن سڑکوں کی طاقت عظیم ہے —— محنت کشوں کی طاقت عظیم ہے —— عوام کی طاقت عظیم ہے۔

بنیادی جمہوریت

پردہ چاک

اسسٹنٹ ڈائریکٹروں کو سرکاری افسروں اور اسمبلیوں کے ارکان سے دوستی پر بڑا ناز ہے

ایک مُردہ محکمے کے ہزاروں میں کھیلنے والے افسر

نمائندہ الفتح۔ حیدرآباد

بادشاہ بحیرا ایوب خان نے اپنے راج سنگھاسن کو مضبوط بنانے کے لئے کیا کیا جتن نہ کئے۔ سیاسی لیڈران کو نکو بنا کر اعلان کیا، "ہماری قوم سیاسی بصیرت کی اس منزل پر نہیں کہ اُسے پارلیمانی جمہوریت کا حق دیا جائے۔ یہ جمہوریت کی اعلیٰ منزل ہے۔ لہٰذا قوم کو پہلے سیاست کی ابجد سیکھنی ہوگی۔" بنیادی جمہوریت کا فرمان جاری ہوا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ اگر قوم نے جوش و خروش کے ساتھ اس طریقہ کار میں حصہ لیا تو بتدریج پوری جمہوریت نافذ کردی جائے گی ـــــ حالات نے ثابت کردیا کہ ایوب خان قوم سے کئے گئے دوسرے وعدوں کی طرح اِس وعدے میں بھی مخلص نہ تھے بلکہ کنٹرول جمہوریت کے ذریعہ محض اپنے اقتدار کے قلعے کو پائیدار اور مستحکم بنانے کے خواہش مند تھے۔ علاوہ ازیں اسی طریقہ کار سے ملک میں حاشیہ برداروں کا ایک طبقہ پیدا ہوا۔ جو شب و روز ایوبی اصلاحات کی مدح میں قصیدے پڑھتا اور ایوب خان کو جمہوریت کا چیمپئین قرار دیتا ـــــ بنیادی جمہوریت کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا گیا۔ اور اسے چلانے کی ذمہ داری نوکر شاہی کو سونپی گئی جو ایوب خان کی پشت پناہ بنی ہوئی تھی ـــــ اِس نظام اور اِس محکمے میں کام کرنے والے سرکاری افسران نے کیا گل کھلائے۔ کیا کیا دھاندلیاں کی گئیں۔ انصاف اور جمہوریت کے نام پر کس طرح ناانصافی اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھایا گیا۔ کسی سے پوشیدہ نہیں ـــــ قومی دولت کے ضیاع کی یہ لرزہ خیز داستان طویل اور المناک ہے۔

صدر ذوالفقار علی بھٹو نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے بالآخر بنیادی جمہوریتوں کے گلے سڑے نظام کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ان کے اِس اعلان سے قبل ہی یہ طریقہ کار اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ لیکن ایوب دور کی یہ بدنما یادگار اب بھی بدعنوانیوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ اِس محکمے کے سارے اختیارات چند اعلیٰ افسران کے ہاتھوں میں ہیں۔ دوسرے سرکاری محکموں کی طرح اس محکمے کے غریب ملازمین نوکر شاہی کی بدترین لعنت کے شکار ہیں۔ ایوب خان کی آمریت ختم ہوگئی۔ بنیادی جمہوریت کی بدبودار لاش سے قوم کو نجات مل گئی۔ مگر اس کا محکمہ اب بھی قائم ہے۔ درجہ سوم اور چہارم کے ملازمین پر ظلم کرنے والے افسران کا اقتدار مضبوط ہے۔ ان کا حکم چلتا ہے۔ ان کے اشاروں پر چمچوں کو ترقیاں ملتی ہیں۔ ان کے احکامات سے بے گناہ ملازمین کا ٹرانسفر ہوتا ہے۔ تنزلی ہوتی ہے۔ بے طرفی ہوتی ہے۔ بلاضرورت لوگوں کو ملازمت مل جاتی ہے۔

حیدرآباد میں بنیادی جمہوریت کا ایک محکمہ ہے۔ اس محکمے کے کرتا دھرتا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ بااختیار اور بااثر آدمی ہیں۔ تعلقات اور میل ملاقات کا دائرہ خاصہ وسیع اور جاندار ہے۔ دھاندلی کرتے ہیں اور اعلانیہ کہتے ہیں: "میرا ہاتھ پکڑنے والا پیدا نہیں ہوا۔" ان کے محکمے کے جونیئر کلرک، سینئر کلرک اور سپر، چپراسی اور کلینر تنگ آئے ہوئے ہیں۔ جلبلاتے ہیں، کڑھتے ہیں۔ مگر کچھ نہیں کرسکتے۔ انہوں نے کئی بار زبانی اور تحریری شکایت کی۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ شکایت کرنے والوں کو جرأت اظہار کی سزا ضرور بھگتنی پڑی۔

اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور اُن کے پالتو چمچوں پر بے شمار بدعنوانیوں کا الزام لگایا گیا۔ درجہ سوم اور چہارم کے ملازمین کا کہنا ہے کہ اگر موجودہ حکومت دنیا بھر کی اصلاحات کرسکتی ہے تو اسے اس محکمے کو بھی بدعنوان اور نااہل افسران سے پاک کرنا ہوگا۔ نچلے درجے کے ملازمین کے جو جائز حقوق ہیں۔ انہیں ملنا چاہیے۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر بنیادی جمہوریت پر جو مبینہ الزامات عائد کئے۔ وہ ترتیب وار درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر بنیادی جمہوریت حیدرآباد مبینہ طور پر جعلی رسیدوں اور بوگس واؤچر کے ذریعہ سرکاری رقم خرد بُرد کر رہے ہیں۔

۲۔ دفتر کے استعمال کے لئے پندرہ ہزار روپے کا فرنیچر خریدا گیا۔ جو اُن کے گھر میں استعمال ہو رہے ہیں۔ خریدے ہوئے فرنیچر میں سے ایک چیز بھی دفتری استعمال میں نہیں لائی گئی۔

۳۔ مذکورہ افسر کے مکان کی آرائش اور سجاوٹ پر ہزاروں روپیہ صرف کیا گیا۔ وہ اعلیٰ اور پُرآسائش زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے مکان کی سجاوٹ اور اُن کے ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا ہے کہ وہ ایک نیم مردہ محکمے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔

۴۔ محکمے میں اکاؤنٹنٹ اور دو سینئر کلرک ان کے خاص آدمی ہیں۔ ان کی مبینہ دھاندلیوں میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ پیٹرول چارجز پر بڑی رقم خرچ کرتے ہیں۔ محکمے کی دو گاڑیاں ان کے ذاتی استعمال میں رہتی ہیں۔ ایک گاڑی پر وہ خود سواری گانٹھتے ہیں۔ دوسری گاڑی خاندان کے افراد اور دوستوں کے لئے مخصوص کردی گئی ہے۔ ان گاڑیوں کا اس سے بہتر مصرف اور کیا ہوسکتا ہے کہ سرکاری گیراج میں کھڑی رہنے کی بجائے وہ ہر وقت چلتی رہیں۔

۵۔ جعلی دورے اور بوگس خانہ پُری کے ذریعہ ٹی اے بلز بنائے جاتے ہیں اور سینکڑوں روپے کھرے کر لئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر مبینہ طور پر جعلی میڈیکل بلوں کے ذریعہ ہر ماہ ایک موٹی رقم اینٹھ لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بوگس میڈیکل بلوں پر دستخط کرانے کا غیر قانونی طریقہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے۔ میڈیکل بلوں پر منظور شدہ ڈاکٹر کے جعلی دستخط کئے جاتے ہیں۔

۷۔ موجودہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر مبینہ طور پر ڈپٹی کمشنر کے اختیارات بھی ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں۔ انہوں

حیدرآباد کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا ہاتھ پکڑنے والا کب پیدا ہوگا؟

نے ایک سینئر کلرک کا اپائنٹمنٹ کرلیا۔ اُسے دو ایڈوانس انکریمنٹ بھی دیدیا۔ حالانکہ قانون کے مطابق انہیں ڈپٹی کمشنر سے پیشگی احکامات حاصل کرنے تھے۔ یہی نہیں ڈپٹی کمشنر سے اجازت لئے بغیر ایک اسٹینو ٹائپسٹ، چپراسی اور دوسرے اسٹاف کو بھرتی کرلیا۔

۸۔ کہا جاتا ہے کہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر خود کچھ نہیں جانتے، خود کچھ نہیں کرتے، بلکہ ان کی رہنمائی ایک سینئر کلرک کرتا ہے۔ اُسے آفس سپرنٹنڈنٹ کے فرائض ادا کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ اپنے اعلیٰ افسروں کو چمچہ گیری سے خوش رکھتے ہیں۔ مذکورہ سینئر کلرک کا تبادلہ کردیا گیا۔ لیکن احکامات پر آج تک عمل درآمد نہ ہوسکا۔ وہ اپنی سابقہ جگہ پر بدستور کام کررہا ہے۔ ملازمین میں یہ بات مشہور ہے کہ مذکورہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر دستخط کرنے کے کام میں بہت ماہر اور تجربہ کار ہیں۔

۹۔ انکشاف کیا گیا ہے کہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے منظور نظر سینئر کلرک نے مبینہ طور پر ایک اہم سرکاری خط نمبر بی ڈی اے ڈی (۱۳۲-۱۱)/ ۷۶-۱۴۳۸ ۔ ۱۴۳۶ مورخہ ۱۰/ اگست ۱۹۷۱ء پر خود دستخط کرکے، دوسری پارٹی سے رشوت کی صورت میں ایک اچھی خاصی رقم حاصل کرلی۔ اس اہم سرکاری مراسلہ پر صرف ڈپٹی کمشنر کو دستخط کرنے کا اختیار تھا۔ اس مبینہ دھاندلی اور بدعنوانی کے خلاف کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور بی ڈی کے متعلقہ محکموں کو تحریری اطلاع دی جاچکی ہے۔

۱۰۔ موجودہ عہدے سے قبل اسسٹنٹ ڈائریکٹر بی۔ ڈی کی حیثیت سے ان کا تبادلہ جیکب آباد میں کیا گیا۔ وہاں ان کی مبینہ بدعنوانیاں چھپی نہ رہ سکیں۔ کمشنر خیرپور نے انہیں چارج شیٹ دیا اور اپنی موجودگی میں ان کے دفتر کو سربمہر کروادیا۔ انکوائری کا نتیجہ اُن کے حق میں برآمد ہوا دوستی کام آگئی۔ اور موصوف اپنی بدعنوانیاں جاری رکھنے کے لئے صاف بچ گئے۔ وہ دعوے کرتے ہیں کہ محکمے کے بعض اعلیٰ افسر، ڈپٹی سیکرٹری ان کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ "ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

۱۱۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے گھر کا ٹیلیفون نمبر ۲۲۰۴۵ ہے۔ یہ سرکاری خرچ پر لگایا گیا ہے۔ ٹرنک کالوں اور پرائیوٹ کالوں کے سارے بلز سرکاری کھاتے سے ادا کئے جاتے ہیں۔ اس سے قبل ایک دوسرے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو گھر پر ٹیلی فون لگانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۱۲۔ ان کے دفتر کے ٹیلی فون پر ہر ماہ کم سے کم دو ہزار روپے اٹھتے ہیں۔ جب کہ سابقہ اسسٹنٹ ڈائریکٹروں کے زمانہ میں ٹیلی فون کا خرچ زیادہ سے زیادہ ہر ماہ ۵۰۰ روپے تھا۔ پٹرول کے بلوں میں اس سے کہیں بڑا تضاد موجود ہے۔

۱۳۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے کمرشل بنکوں کے منیجروں کو خوش کرنے کے لئے متعدد کمرشل بنکوں میں سرکاری اکاؤنٹ کھول رکھے ہیں۔ اس سے موصوف کو یہ فائدہ پہنچ رہا ہے کہ متعلقہ اتھارٹی سے پیشگی اجازت لئے بغیر بنکوں سے ہزاروں روپے کا قرض آسانی سے مل جاتا ہے۔ انہیں کمرشل بنکوں میں سرکاری اکاؤنٹ کھولنے کا کوئی اختیار نہیں ہے حکومت کی واضح ہدایت موجود ہے کہ سرکاری اکاؤنٹ صرف نیشنل بنک میں کھولے جائیں۔

۱۴۔ محکمے کے چار کلینر، ایک چپراسی ان کے گھر پر کام کرتے ہیں اور تنخواہ سرکاری خزانے سے وصول کرتے ہیں۔ ہر ماہ اچھی خاصی رقم ایسے ملازمین پر صرف کی جارہی ہے جو سرکاری ڈیوٹی دینے کی بجائے ان کے گھر کا کام کاج کرتے ہیں۔

۱۵۔ موجودہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر بی۔ ڈی حیدرآباد اپنے سی ایس پی، پی سی ایس۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کی دوستی پر ناز کرتے ہیں۔ کہتے ہیں "میرے خلاف کوئی انکوائری کامیاب نہیں ہوسکتی۔"

محکمہ کے درجہ سوم اور چہارم کے ملازمین اُن کی مبینہ دھاندلیوں اور بدعنوانیوں سے سخت پریشان ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے مذکورہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا دوسری جگہ تبادلہ کیا جائے اور اس کے بعد ان کے سیاہ کارناموں کی منصفانہ تحقیقات کی جائے۔ تحقیقاتی کمیٹی کے لئے ایسے با اختیار افراد کی خدمات حاصل کی جائیں جو کسی کی دھونس اور اثر میں نہ آسکے۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے خلاف مبینہ الزامات لگانے والے درجہ سوم اور چہارم کے ملازمین کا کہنا ہے کہ اگر ان کے نام کو مخفی رکھا جائے تو وہ ان کا پردہ چاک کرنے میں تحقیقاتی کمیٹی سے پورا پورا تعاون کریں گے۔



یہاں پانی حاصل کرنا، لانا ہے جوئے شیر کا

قصبہ کالونی —— بستی نہیں کوڑا گھر ہے

نعیم الحسن

۱۹۶۵ء کے آخر میں منگھوپیر روڈ کے قریب، پہاڑیوں کے درمیان میں ایک مہاجر کالونی تعمیر کی گئی۔ تعمیر برائے نام تھی۔ بس آباد کر دی گئی۔ کالونی شہر سے بہت دور تھی۔ آمد و رفت کا انتظام نہ تھا۔ بجلی، پانی اور اسپتال جیسی بنیادی چیزوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ شہر سے دور دراز علاقوں میں کالونیاں بنانے سے قبل ہی بنیادی سہولتیں فراہم کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں ایسی غیر ضروری باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ ویسے بھی ایوب خان اور اُن کے حواریوں کو گوارا نہ تھا کہ محنت کش طبقہ اپنے وجود سے شہر کی رونق خراب کرے۔ ایوب خان نے حکم دے رکھا تھا کہ غریب آبادی کو جلد از جلد شہر کے باہر منتقل کر دیا جائے۔ تاکہ باہر سے آنے والے شہر کی سجاوٹ اور خوب صورتی اور رنگینی دیکھ کر فتویٰ صادر کر دیں کہ پاکستان ترقی اور خوش حالی کے نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ محکمہ آبادکاری و بحالیات نے پہاڑیوں کے درمیان ویران اور سنسان جنگل میں زبردستی لوگوں کو آباد کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ غریب اور کم آمدنی والوں نے کہا "ہمیں روزگار کے لئے شہر آنا پڑتا ہے۔ پہلے بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ پھر منتقلی شروع کی جائے، آمد و رفت کا معقول بندوبست کیا جائے۔" متعلقہ حکام کے پاس اس قسم کی فضول باتیں سننے کے لئے وقت نہ تھا۔ وہ اپنا فرض ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پورا کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنا فرض لاٹھی، ڈنڈے، دھونس اور دھمکی سے ادا کر دیا۔

سب سے پہلے نئی نمائش کے باشندوں کو منتقل کیا گیا۔ قہر درویش بر جانِ درویش۔ اگر انکار کرتے تو ان کی جھونپڑیاں مسمار کر دی جاتیں۔ مال و اسباب کی طرح انہیں محکمہ بحالیات یا ادارۂ ترقیات کے ٹرکوں میں ٹھونس کر قصبہ کالونی میں پھینک دیا جاتا۔ اِس سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ خود وہاں چلے جاتے۔ کرڑی

> ٹھیکیداروں نے
> لاکھوں کمائے
> افسروں نے
> جیبیں بھریں

کسیلی زندگی میں تھوڑی سی اور تلخی۔ محنت کش کا کیا بگڑتا ہے منتقلی کے وقت کمشنر اور ادارۂ ترقیات نے ان سے وعدہ کیا "کہ کسی معاوضہ کے بغیر پلاٹوں پر مالکانہ حقوق دیے جائیں گے۔ پائپ لائن بچھا دی گئی ہے۔ ان کے پہنچتے ہی پانی کی سپلائی شروع ہو جائے گی۔ اسپتال، اسکول، بجلی اور سڑکوں کا مناسب انتظام کر دیا جائے گا۔ فکر نہ کرو۔ وہاں تم لوگوں کو ہر قسم کی سہولت دی جائے گی۔"

جبری منتقلی کے شکار نئی نمائش کے باشندے سات سال گزرنے کے بعد بھی بجلی، پانی، اسپتال اور سکول جیسی بنیادی اور اہم سہولتوں سے محروم ہیں۔ ایوب خان کے دورِ اقتدار میں یہاں کے باشندوں نے کمشنر کراچی اور ادارۂ ترقیات کے آستانہ پر بار بار سر رگڑا۔ گزارشیں کیں۔ درخواستیں دیں۔ وفد کی صورت میں ملاقاتیں کیں۔ خدا کا واسطہ، انسانیت کی دہائی دی، مگر اُن کے مسائل پر کسی نے توجہ دینے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اِس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ حاکمِ وقت کے آرڈر پر انتظامیہ اور متعلقہ اداروں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ اِس سے آگے کہ وہاں کے لوگ پانی اسپتال اور بجلی کے بغیر کس طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ زندہ یا مردہ ہیں۔ ایسے سوالوں کا جواب متعلقہ اداروں اور انتظامیہ کے اہل کاروں کے پاس نہیں ہوتا۔ ایوب خان اپنے دن پورے کر کے رخصت ہو گئے۔ اِس کے بعد یحییٰ خان سیاسی افق پر ڈنڈا نچاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ اعلان کیا۔ "اب تک جتنے لوگ اقتدار پر آئے، وہ قوم سے مخلص نہ تھے۔ میں سارے مسائل حل کر دوں گا۔" یہ صاحبِ اقتدار عوام کا مسئلہ کیا حل کرتا۔ مزید مسائل پیدا کر گیا۔

قصبہ کالونی کی تعمیر ہو یا کوئی اور کالونی، ادارۂ ترقیات

بے گھر عوام کی منتقلی پر دو لاکھ روپے خُرد بُرد کئے گئے

اور ٹھیکیداروں کی پانچوں انگلی گھی اور سر کڑاھی میں ہوتا ہے تعمیرات کے دوران لاکھوں روپے خرد برد کر دیے جاتے ہیں۔ سرکاری ریکارڈ پر نئی نمائش کی شفٹنگ پر ۲ لاکھ روپے کے اخراجات دکھائے گئے۔ یہ دو لاکھ کہاں خرچ کئے گئے کیسے خرچ کئے گئے۔ کیسے خرچ ہوا اس کا جواب تو کراچی انتظامیہ اور متعلقہ ادارہ کے ذمہ دار افراد ہی دے سکتے ہیں۔ ویسے کھاتے کی چیکنگ سے گھپلے کا پتہ چلانا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے۔ اِس کام میں ایک سے ایک ماہر پڑا ہے۔ پانی کی پائپ لائن بچھانے کا ٹھیکہ ڈیڑھ لاکھ روپے میں دیا گیا۔ جب سارا کام مکمل ہو گیا تو پتہ چلا کہ پائپ لائن غلط بچھ گئی۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نلکوں میں برابر پانی نہیں پہنچتا۔ نلکے گھنٹوں سنسناتے ہیں۔ اور ایک قطرہ ٹپکے بغیر بند ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح تقریباً ایک ڈیڑھ لاکھ میں دو سڑکوں کی تعمیر کا ٹھیکہ دیا گیا۔ صرف دو ماہ میں دونوں سڑکیں برابر ہو گئیں۔ اب پتا نہیں چلتا کہ سڑک کہاں اور میدان کدھر؟ — گجرات بس والوں نے اپنی بسوں کی حفاظت کے لئے ایک سڑک کی مرمت خود کر دی۔ برساتی پانی اور گندے پانی کی نکاسی کے نالوں کی تعمیر پر بھی تقریباً ایک لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ یہ بھی ناکارہ اور بے مصرف ثابت ہوئے۔ غرضیکہ قصبہ کالونی والوں کے سارے مسائل اپنی جگہ جُوں کے توں ہیں۔

انجمن اشتراکِ عمل، قصبہ کالونی کے صدر مسٹر شرافت علی نے بتایا، منتقلی سے لے کر آج تک ہمارے مسائل پر کسی نے توجہ نہ دی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے ہم انسان نہیں بلکہ کسی ایسی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں جسے زندہ رہنے کے لئے کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔ حکومت اور انتظامیہ کا انسانوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک غیر انسانی ہی نہیں بلکہ سنگین اور خطرناک ہے۔ خدا خدا کر کے ۲۴ سالوں کے بعد ایک عوامی حکومت برسرِ اقتدار آئی ہے۔ پیپلز پارٹی نے اپنے انتخابی منشور میں عوام سے روزگار، مکان، صفائی، طبی سہولت، بجلی، پانی، تعلیم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے ہم موجودہ حکومت اور انتظامیہ کی توجہ قصبہ کالونی کے مسائل کی جانب کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے قصبہ کالونی میں مندرجہ ذیل مسائل کے فوری حل کا مطالبہ کیا ہے:-

۱۔ پلاٹوں پر کسی معاوضہ کے بغیر مالکانہ حقوق اور لیز کا حکم دیا جائے۔
۲۔ پانی کی سپلائی کا مناسب بندوبست کیا جائے۔
۳۔ پکی اور پائیدار سڑکیں تعمیر کی جائیں۔
۴۔ دو پرائمری اسکول اور ایک ہائی سکول قائم کیا جائے مدرسہ تعلیمات اسلامیات کو حکومت اپنے کنٹرول میں لے کر کالج کا درجہ دے۔
۵۔ سرکاری اسپتال اور زچہ خانہ بنایا جائے۔
۶۔ بجلی محدود علاقہ تک دی گئی ہے۔ لہٰذا پورے قصبہ میں بجلی سپلائی کی جائے۔
۷۔ گندے پانی کی نکاسی کا مناسب بندوبست کیا جائے۔
۸۔ صفائی اور جراثیم کش ادویات کا انتظام کیا جائے۔



انقلابیوں نے بارہ اضلاع آزاد کرا لئے

کام کار

" بنگلہ دیش میں چین نواز عناصر کھل کر شیخ مجیب الرحمان کے مقابلے پر آگئے ہیں۔ ڈاکٹر طہٰ حسین نے مشرقی پاکستان کو کلکتہ کے استحصال سے نجات دلانے کے لئے عوامی فوج قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ڈاکٹر طہٰ نے کہا ہے کہ بنگلہ دیش کسی تحریک آزادی یا طبقاتی جدوجہد کا نہیں بلکہ بھارتی توسیع پسندوں، سوویت سوشل سامراج اور امریکی سامراج کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ مکتی باہنی چین نواز حریت پسندوں پر سخت مظالم ڈھا رہی ہے اور انہیں جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ بیرونی اثرات اور مکتی باہنی کی غنڈہ گردی ختم کرنے کے لئے عوامی فوج قائم کی جائے۔ ڈاکٹر طہٰ نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں تمام صنعتوں کو تباہ کیا جا رہا ہے یا کلکتہ منتقل کیا جا رہا ہے بنگلہ دیش کے قیام کا صرف ایک نتیجہ نکلا ہے کہ جو بنگالی پہلے مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کے استحصال کا نشانہ تھے اب بھارت، سوویت یونین اور امریکہ کے استحصال کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مشرقی پاکستان میں چین کے حامی عناصر تیزی سے طاقت پکڑ رہے ہیں۔ ایک کروڑ ۳۰ لاکھ افراد ڈاکٹر طہٰ کی تحریک سے متاثر ہوئے ہیں۔"

(اے۔ ایف۔ پی۔ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۷۲ء)

" چاٹگام کے پہاڑی علاقوں سے مسلح میزو حریت پسندوں اور مشرقی پاکستان کے انقلابیوں کو نکال باہر کرنے کے لئے بنگلہ دیش رائفلز کی دو کمپنیاں اس علاقے میں بھیج دی گئی ہیں۔ ان عناصر نے اس علاقے میں پولیس کی ایک چوکی پر گزشتہ ہفتے حملہ کیا تھا۔ ایک سرکاری ترجمان نے کہا ہے کہ علاقے کی مجموعی صورت حال ابھی واضح نہیں ہے۔ تاہم اگر ضرورت پڑی تو مزید کمک بھیج دی جائے گی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ہفتے کے روز کچھ میزو اور مشرقی پاکستانی انقلابیوں نے اچانک تھانچی بازار کی پولیس چوکی پر حملہ کر کے ایک سپاہی کو ہلاک اور ایک کو زخمی کر دیا۔ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق انقلابیوں نے لولی تاڑ کی ایک اور چوکی پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ برما کی سرحد کے ساتھ پھیلے ہوئے چاٹگام کے جنگلوں میں خندقیں کھود کر مورچہ بند ہو گئے ہیں۔"

(رائٹر۔ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۲ء)

مشرقی پاکستان کے انقلابی بھارتی توسیع پسندوں، سوویت سوشل سامراج اور امریکی سامراج کی ناجائز اولاد "بنگلہ دیش" اور اس کی حکومت کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں۔ کسانوں نے ہل اور درانتی اور مزدوروں نے ہتھوڑے کی جگہ بندوقیں سنبھال لی ہیں۔ گوریلا جنگ کھیتوں، کھلیانوں اور پہاڑوں میں شروع ہو چکی ہے۔ کلہاڑیاں بلند ہو رہی ہیں۔ بندوقوں کے دھماکے ہو رہے ہیں۔ یہ جنگ آخری فتح تک جاری رہے گی۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی۔ جب تک مشرقی پاکستان استحصالی طبقوں سے پاک مزدور کسان راج قائم نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ گوریلا جنگ عوام لڑتے ہیں وہ عوام جو سود و زیاں کے تمام پیمانے توڑ دیتے ہیں۔ وہ عوام جن کے پاس غلامی کی زنجیروں کے علاوہ کھونے کے لئے اور کچھ نہیں ہوتا اور پانے کے لئے پوری دنیا ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کے انقلابی جو آج مادر وطن کو آزاد کرنے کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ پاکستانی حکومت کے زیر عتاب رہے۔ ان افراد کو پارلیمانی دور حکومت میں "وطن دشمن" اور "غدار" کہہ کر دار و رسن کی آزمائش میں ڈالا گیا۔ جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ فوجی آمریت کے عہد میں بھی تشدد سے کچلنے کی کوشش کی گئی۔ مشرقی پاکستان کے انقلابیوں پر رجعت پسندوں خصوصاً جماعت اسلامی اور اس کے اخبارات جسارت، زندگی، ایشیا، آئین اور اردو ڈائجسٹ نے نت نئے اور طرح طرح کے الزامات لگائے۔ انہیں "کافر" کہا گیا۔ "وطن دشمن" قرار دیا گیا۔ "غدار" کے خطاب سے نوازا گیا اور حکومت کو مشورہ دیا گیا کہ وہ انہیں بے رحمی اور سختی سے کچل دے۔ حکومت نے ان "قیمتی" مشوروں پر عمل بھی کیا۔ ان ہی انقلابی اور حریت پسندوں کو کچلنے کے لئے جماعت اسلامی نے "البدر" بنائی۔ جسے یحییٰ حکومت نے نہ صرف فوجی تربیت دی، بلکہ بھاری تعداد میں اسلحہ بھی دیا۔ اس ظالم اور جابر تنظیم نے بنگالی عوام کے خون سے جی بھر کر ہولی کھیلی۔ لیکن اب "البدر" کہاں ہے۔ وہ تو بھارتی جنگی دیوتاؤں کے چرنوں میں ہتھیار ڈال چکی ہے۔ "بنگلہ دیش" سرکار کی وفاداری کا دم بھر رہی ہے۔ کیونکہ اب اُس کے مفادات بنگلہ دیشی حکومت سے وابستہ ہیں۔

مشرقی پاکستان میں انقلابیوں کی جدوجہد بہت پرانی ہے۔ یہ جدوجہد بہت طویل اور کٹھن مرحلوں سے گزرتی ہوئی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ چین نواز انقلابیوں کی جدوجہد ہے جو افکار ماؤزے تنگ اور گوریلا جنگ پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انقلاب اور استحصال سے پاک غیر طبقاتی معاشرہ صرف مسلح جدوجہد سے قائم ہو سکتا ہے کیونکہ "انقلاب کوئی دعوت طعام یا مضمون نویسی، مصوری یا کشیدہ کاری نہیں، بلکہ یہ اتنا نفیس، اتنا پرسکون اور کریم النفس، اتنا معتدل، رحم دل، مودب۔ محتاط۔ اور عالی ظرف نہیں ہو سکتا۔ انقلاب ایک بغاوت ہے جس کے ذریعے ایک طبقہ دوسرے طبقہ کا تختہ الٹتا ہے۔" مشرقی پاکستان نیم جاگیردارانہ اور نیم نوآبادیاتی صوبہ ہے۔ اس لئے انقلابیوں نے چیئرمین ماؤزے تنگ کے اس قول "چین کے جاگیردارانہ معاشرے میں تاریخی تبدیلیوں کی اصل محرک قوت کسانوں کی طبقاتی جدوجہد، کسانوں کی بغاوتیں اور کسانوں کی جنگیں تھیں" پر عمل کرتے ہوئے کسانوں میں کام شروع کیا۔ بے زمین کسانوں میں طبقاتی شعور جاگ گیا۔ اور ان کے اصلی دشمن کی نشان دہی کی۔ اور بتایا کہ اُن کے مسائل کا واحد حل گوریلا جنگ ہے۔ نکسل باڑی





عوامی ملیشیا، عوامی انقلابی کمیٹیوں اور عدالتوں کا قیام

میں چلنے والی بندوقوں کی آوازوں اور پہاڑ سے اٹھنے والی گھن گرج نے ان کی رہنمائی کی۔

دسمبر ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا۔ مشرقی پاکستان کے انقلابیوں نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کو عوامی مسائل کا حل نہ سمجھتے ہوئے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ بائیکاٹ کا فیصلہ کرتے وقت اُن کے سامنے کارل مارکس کا وہ تبصرہ تھا جو اُس نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کے گہوارے برطانیہ کے الیکشن کے بارے میں کہا تھا

"برطانوی انتخابات میں عوام کو صرف یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ آئندہ کے استحصال کے لئے کسی پارٹی کو منتخب کرلیں۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن علاقوں میں انقلابیوں کا اثر تھا وہاں کے عوام نے انتخابات میں حصہ نہیں لیا۔ کھلنا، جیسور، نواکھالی، باریسال، پتواکھالی وغیرہ میں بہت ہی کم ووٹ ڈالے گئے۔ عوامی لیگ شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت میں سب سے بڑی پارٹی ابھر کر سامنے آئی۔ مغربی پاکستان کے اجارہ دار سرمایہ داروں اور مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کے تضادات متصادم ہوئے۔ مشرقی پاکستان کا ابھرتا ہُوا سرمایہ دار استحصال کی ایجنسی لینا چاہتا تھا۔ جبکہ مغربی پاکستان کے اجارہ دار سرمایہ دار اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

جنوب کی طرف ایک پیغام

یہ جدائی سورج کی مانند ہے
جس سے سب محبت کرتے ہیں
لیکن کوئی بھی شخص اسے جانے سے نہیں روک سکتا

جدائی ہو
لیکن دوستی ختم نہ ہونے پائے

جب تم جنوب کی طرف خط لکھو تو لکھنا
جنگلوں میں
ہم جدوجہد کر رہے ہیں

——— کسنی سولانگ

یحیٰی حکومت نے جو دراصل مغربی پاکستان کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی ایجنٹ تھی، مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کی۔ اس پر امریکی سامراج، سوویٹ سوشل سامراج، بھارتی توسیع پسندوں کے گماشتے شیخ مجیب اور ان کی جماعت نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور چین کے گرد حصار بنانے کے لیے مصنوعی "جدوجہد آزادی" شروع کی۔ سامراجی، سوشل سامراجی اور توسیع پسندانہ اثرات کو روکنے کے لیے انقلابیوں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی۔ مارچ ۱۹۷۱ء کے اواخر تک کھلنا، جیسور، نواکھالی، باریسال، پتواکھالی، ڈھاکہ، فرید پور، میمن سنگھ اور سلہٹ وغیرہ انقلابی لپیٹ میں آ گئے۔ کھلنا اور جیسور کے علاقوں میں پندرہ طبقاتی دشمنوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔

کیونکہ عوامی لیگ نے "آزادی" کا ڈھونگ رچایا تھا اور مشرقی پاکستان کے ترمیم پسند بھی اس کی حمایت کر رہے تھے۔ اس نے مشرقی پاکستان کے عوام کے لیے بڑی پیچیدہ اور دشوار صورتِ حال پیدا کر دی۔ اِس نازک موقع پر مشرقی پاکستان کے انقلابیوں نے ایک طرف عوامی لیگ کے طبقاتی کردار کو بے نقاب کیا اور دوسری طرف عوامی فوج کے قیام پر زور دیا۔ انہوں نے گوریلوں کے گروپ بنائے۔ ان گوریلوں نے جوتی داروں اور سود خوروں سے بندوقیں چھین لیں۔ جیسور، راجشاہی، ٹھاکر گاؤں نواکھالی اور دوسرے مختلف شہروں کے اسلحہ کے ذخیروں پر قبضہ کرلیا۔ بندوقیں کسانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

اس سے جدوجہد مزید تیز ہو گئی۔ کھلنا، جیسور، نواکھالی اور دوسرے اضلاع میں آزاد علاقے قائم کر دیئے گئے کھلنا میں دوموریا کے تھانے کا علاقہ مکمل طور پر آزاد کرالیا گیا۔ اس علاقے سے زمیندار، سود خور اور ان کے گماشتے فرار ہو گئے۔ بے زمین کسانوں پر مشتمل انقلابی عوامی کمیٹیاں قائم کر دی گئیں۔ بہت سے زمینداروں اور سود خوروں نے انقلابیوں سے اپنی جان کی امان مانگی اور لوٹی ہوئی اراضی، جانور، کشتیاں اور گھر اور دیگر سامان کسانوں کو واپس کر دیا۔ انقلابی عوامی کمیٹیوں نے جاگیرداروں کی اراضی ضبط کر کے اسے غریب اور بے زمین کسانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور گاؤں کی حفاظت کے لیے عوامی ملیشیا منظم کی۔ یحیٰی حکومت نے انقلابیوں سے نمٹنے کے لیے نام نہاد امن کمیٹیوں کے نام پر زمینداروں اور سود خوروں کو منظم کیا لیکن عوامی ملیشیا نے انہیں مار بھگایا۔ انقلابی عوامی کمیٹیوں نے عوام کے معاشی مفادات کا خاص خیال رکھا۔ پیداوار بڑھانے کے منصوبے بنائے۔ آزاد علاقوں میں عوامی عدالتیں بھی قائم کر دی گئیں جو عوام دشمن عناصر کے جرائم کی تحقیق کر کے قرار واقعی سزا دیتی تھیں۔

انقلابیوں کو کسان بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں عزت کرتے ہیں اور کھانا مہیا کرتے ہیں۔ جوانوں کی بات چھوڑیے بوڑھے بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے ہیں۔ ایک دن رضاکاروں کے ایک گروہ نے انقلابیوں کے آزاد علاقے میں چند میل دور ایک نوجوان کسان کو گھیر کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش گاؤں سے کچھ دور پھینک دی۔ انقلابیوں کو اس واقعہ کی اطلاع دوسرے دن صبح کو ملی گوریلوں کا ایک دستہ جائے وقوع کی جانب روانہ ہوا راستہ میں مقتول کسان کا باپ اپنے بیٹے کی مسخ شدہ لاش اٹھائے ہوئے ملا۔ جب اس نے گوریلوں کو دیکھا تو اس نے کہا "مجھے علم تھا کہ تم آؤ گے۔ اس کی لاش لے جاؤ اور جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ وہ تمہارا ساتھی تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کا ضرور انتقام لو گے۔ مَیں رویا نہیں مَیں اپنے بیٹے کی مَوت پر نہیں رویا۔" یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بوڑھے باپ کے یہ الفاظ اس بات کی علامت ہیں کہ کسان انقلابیوں اور قومی سپاہِ آزادی پر اتنا یقین رکھتے ہیں۔ غریب اور بے زمین کسان اپنے نوجوان بیٹوں کو انقلابی اڈوں پر لاتے ہیں اور انہیں عوامی سپاہِ آزادی میں شامل کرنے کے لیے اصرار کرتے ہیں۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد عوامی لیگ اور برہنہ ہو گئی انقلابی جدوجہد اور تیز ہوتی جا رہی ہے اور عوامی لیگ عوام سے الگ تھلگ ہو رہی ہے۔ عوام اب عوامی لیگی رہنماؤں کو اعلانیہ غدار گردانتے ہیں۔ حکومت نے جن افراد کو انقلابیوں کو کچلنے کے لیے اسلحہ دیا تھا اب واپس لے رہی ہے۔ اسے خطرہ ہے کہ کہیں یہ ہتھیار انقلابی نہ چھین لیں۔

اب مشرقی پاکستان کے انقلابیوں کی جدوجہد تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور چند برسوں میں مشرقی پاکستان استحصالی چنگل سے آزاد ہو جائے گا۔

جنسی اور جاسوسی ادب کے بعد جناتی ادب

نقلی ادیب

ادبی جعلسازوں کی دستاویز

شاهد

یہ دَور ماہانہ ڈائجسٹوں کا دور کہلاتا ہے۔ ان ڈائجسٹوں میں سب ہی کچھ ہوتا ہے —— جنسیات، نفسیات، شکاریات، ہنسی، دل لگی، دہشت زدگی، سنسنی خیزی غرضیکہ یہ پوری بارہ مصالحہ کی چاٹ ہوتی ہے۔ اسلام پسند اپنے ڈائجسٹوں میں اسلام پسندی کی چاشنی ڈال کر اسے مشرف بہ اسلام کرتے ہیں۔ ادب ان میں نمک کے برابر ہوتا ہے۔ ادب کے معاملہ میں حال ان کا گوجروں کی طرح ہے جو پہلے دُودھ میں پانی ملاتے تھے۔ اب پانی میں دودھ ملاتے ہیں۔

لیکن ڈائجسٹوں کی اس ادبی ملاوٹ نے ادبی رسالوں کا بیڑا کر دیا۔ جو رسالے پہلے سے نکلتے ہیں جاں بلب ہیں۔ عالم ان کا یہ ہے کہ کچھ تو ایسے ہیں کہ نہ مرتے ہیں نہ پیچھا چھوڑتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں کہ "آبِ حیات" پی چکے ہیں اور عالمِ سکرات میں پڑے ہیں۔ اور جو صحت مند سے زیادہ تنومند نظر آتے ہیں وہ بھولو پہلوان کی طرح کبھی کبھار اکھاڑے میں اترتے ہیں ورنہ صرف اپنے "پٹھے" ہی لڑانے پر اکتفا کرتے ہیں مگر اس ادبی کساد بازاری میں بھی بعض سر پھرے ایسے نظر آتے ہیں جو ادبی رسالے نکالنے کی جرأت رندانہ کرتے ہیں ان کے بھی دو زمرے ہیں، دو حلقے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو پرورشِ لوح و قلم کے جذبہ سے سرشار ہیں اور "کیے جاؤ کوشش میرے دوستو" کے مقولے پر عمل پیرا ہیں دوسرے وہ ہیں جن کی "بیش بہا ادبی تخلیقات" رسالوں کے مدیر شائع کرنے سے کتراتے ہیں۔ اور اگر شائع کرتے ہیں تو کہیں اشتہاروں کے بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی غزلیں اور نظمیں "کشتۂ مردارید" یا "لعوقِ سپستاں" بن جاتی ہیں۔ اس نوجوان کی داستان دلِ گداز بن جاتی ہیں جو حجلۂ عروسی سے اپنی دلہن چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اس شکی سے بچنے کا۔ "ان ادیب قسم کے لوگوں نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جیب سے رقم لگا کر رسالہ نکالتے ہیں اپنا کلام بمعہ تصویر شائع کرتے ہیں۔ فرضی ناموں سے اپنی ثنا خوانی اور قصیدہ گوئی کراتے ہیں۔ اس طرح اپنا شوق پورا کرتے ہیں، دلِ بستگی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا شمار ایسے ہی خوش ذوقوں میں ہوتا ہے۔ کھاتے پیتے آدمی ہیں۔ زمینیں اور باغات رکھتے ہیں۔ مالٹے سے کینو اور کینو سے مینو تیار کرتے ہیں۔ ادب میں بھی اس پیوند کاری کے قائل ہیں۔ غزل بھی کہتے ہیں، نظم بھی کہتے ہیں۔ تنقید بھی کرتے ہیں اور تحقیق بھی کرتے ہیں۔ غالب کی زمین میں میر کا انداز پیدا کرتے ہیں اور میر کی زمین میں اپنے لیے دو گز قطعۂ زمین کی گنجائش نکالنے سے بھی نہیں چوکتے۔ تنقید کی شان ان کی نرالی ہے۔

آمد نکہت بادِ بہاری ہے۔ بات ہر صنفِ ادب کی کرتے ہیں مگر پیوند اپنے کلام کا لگاتے ہیں۔ رسالے نکالتے ہیں اور دھوم دھام سے نکالتے ہیں۔ مگر جب دکان بڑھاتے ہیں تو کانوں کان خبر نہیں کرتے۔ آتے ہیں تو اس طمطراق سے کہ رستم کا بدن زیرِ زمین کانپتا ہے۔ جاتے ہیں تو کمند بھی نہیں ڈالتے راتوں رات چور دروازے سے نکل جاتے ہیں۔ ع

آتے ہیں ہنسانے کو جاتے ہیں رلانے کو
اس آنے کو کیا کہیئے اس جانے کو کیا کہیے

لیکن جنہیں اتنی مقدرت نہیں وہ بیوی کے زیور بیچ کر، قرض ادھار لے کر یا کسی سیٹھ ساہوکار کو پھانس کر اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ رسالہ نکالتے ہیں دوست احباب میں چرچا کرتے ہیں۔ فراخدلی سے مفت تقسیم کرتے ہیں اور چند اشاعتوں کے بعد منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ گھر جاتے ہیں تو بیوی لتّے لیتی ہے۔ باہر نکلتے ہیں تو قرض خواہ کپڑے اتارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اپنی تخلیقات خود شائع کر کے خوش ہونے والے ایسے ہی خوش ذوقوں نے پنڈی سے ایک ماہنامہ رسالہ نکالا۔ نام اس کا "دستاویز" رکھا۔ اس "دستاویز" پر نہ جانے کیوں ہمیں وہ جعل ساز یاد آئے جو جعلی دستاویز بناتے ہیں۔ جعلی پرونوٹ اور بیعہ نامہ تیار کرتے ہیں۔ تحریر اور دستخطوں کی ایسی ہو بہو نقل اتارتے ہیں کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ جعلی بہی کھاتے بناتے ہیں تو اس پر رنگ روغن کرتے ہیں۔ کوڑے کرکٹ میں دبا کر انہیں کرم خوردہ بناتے ہیں۔ چولہے پر لٹکا کر دھوئیں سے بوسیدہ بناتے ہیں۔

ایک ایسے ہی جعلساز کا قصہ مشہور ہے۔ کمبخت نے جعلی چیک بنایا، بنک سے رقم نکلوائی اور خوب اڑائی مالِ مفت دلِ بے رحم والا معاملہ تھا۔ رنگ رلیاں راس نہ آئیں، پکڑے گئے۔ ادھر صاحب دستخط نے اپنے دستخط دیکھے تو سر پیٹ لیا۔ دستخط میں سرِ مو فرق نہ تھا۔ ہر شوشہ اور ہر دائرہ اپنی جگہ تھا۔ جب جعلساز سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو حیران و پریشان ہو کر پوچھا "اے استادوں کے استاد یہ تو بتا کہ میرے ہاتھ میں تو لرزہ ہے تو نے دستخط میں یہ لرزش کیسے پیدا کی؟" جعلساز پنڈی کا رہنے والا تھا۔ سرما میں وہاں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے۔ اس سردی میں وہ اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے نہایا۔ جعلی دستخط بنائے تو سرِ مو فرق نہ آیا۔ صاحب دستخط نے اس کے ہنر کا یہ رنگ دیکھا تو منہ سے بے ساختہ "سبحان اللہ" نکلا۔ دل شاد کیا آباد کیا اور خوش ہو کر اسے معاف کیا۔ یوں بھی اب جعلساز کے پاس رہ کیا گیا تھا۔ جیل بھجوانے سے حاصل کچھ نہ تھا۔

ذکر تھا پنڈی کے ایک رسالے "دستاویز" کا جس پر ہمیں جعلساز یاد آئے۔ ورق الٹ پلٹ کر دیکھے تو ماتھا ٹھنکا ہماری چھٹی حس نے بروقت کام کیا۔ یہ ادب نہ تھا۔ ادب کے

اُردو تحریریں جنہیں اُردو میں ترجمہ کرکے پڑھا جاسکتا ہے

نام پر جعلسازی تھی۔ آدمی عیب کرے تو ہنرمندی سے کرے پھوہڑپن نے لٹیا ڈبو دی۔ جعلسازی لاکھ جعلسازی کہلائے بہرحال اپنی جگہ ہنر ہے۔ اس رسالے کے مدیر بسر دبیر کوئی بزرگ مظہرالاسلام ہیں۔ انہوں نے ایک نہیں تین تین اداریے لکھے ہیں۔ دل نہ بھرا تو ایک عدد "مدیریا" بھی لکھ ڈالا۔ یہ ادب کی کوئی نئی صنف ہیں۔ خالص ایجاد بندہ ہے تحریر میں ان کی تکبیر کی شان ہے۔ پڑھیے تو عقل حیران ہے۔ لہجہ غلط، بیان غلط، اظہار غلط، جملہ ٹیڑھا، فقرہ لنگڑا، محاورہ کانا، روزمرہ بھینگا ——— ایسی تحریر کو فصحا نے جناتی تحریر بتایا ہے جس کا سر ہوتا ہے نہ پیر۔ مجذوب کی بڑ۔ غصے میں آدمی پاگل ہوجاتا ہے۔ کپڑے پھاڑتا ہے، بال نوچتا ہے، منہ سے کف جاری ہوتا ہے۔ اس تحریر سے ایسی ہی علامتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمارے پنڈی کے ایک دوست نے اس تحریر کو پڑھا تو فی البدیہہ یہ قطعہ ان کی شان میں پڑھا۔ ؏ ;

مظہر کو جو ڈھونڈو تو وہ جاڑے میں ملے گا
شعرائے رذیل گو کے اکھاڑے میں ملے گا
مجبور ہے، انجور ہے بیڈول ہے، اڑیل
ٹٹو ہے کرائے کا وہ بھاڑے میں ملے گا

اس رسالے میں ایک اور بزرگوار کا حلیہ نظر آیا۔ نام نامی اسم گرامی ان کا رشید امجد ہے۔ وزیر آغا کی مکتبۂ فکر کے پروردہ ہیں۔ تحریر ان کی بھی ماشاءاللہ اور سبحان اللہ ہے۔ کتابی علم بھی نہیں رکھتے معلوم ہوتا ہے کہ سال ہا سال تک میٹرک سے فیل ہو کر بھاگے ہیں۔ اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کسی استاد کی چلمیں بھرتے، پاؤں دباتے، ڈانٹ پھٹکار سنتے۔ کم از کم بات کہنے کا سلیقہ تو آجاتا۔ گالیاں دینے اور دشنام طرازی کرنے کے لیے بھی کچھ رکھ رکھاؤ چاہیئے۔ بھٹیاریوں سے درس لیتے، میراثیوں کی صحبت اختیار کرتے، ضلع جگت سیکھتے، فقرے بازی سیکھتے تب بات بنتی۔ یہ تو بات نہ ہوئی کہ منہ میں آیا اور بھڑ سے کہہ دیا کہ قدرت اللہ شہاب، ابن انشاء اور جمیل الدین عالی ادیب نہیں۔ یہ لاعلمی کا رونا نہ ہوا پولیس کے روزنامچہ میں ولدیت نامعلوم لکھوانا ہوا۔

صرف مظہرالاسلام اور رشید امجد ہی نہیں۔ کوئی ان میں فتح ملک ہے کوئی سعادت سعید؛ دستاویز کی اس لنکا میں جو ہے وہ باون گزا ہے۔ جن اہل قلم نے اپنی عمر عزیز خدمت ادب میں بسر کردی یہ ان کی پگڑی اچھالتے ہیں فیض احمد فیض سے ٹھٹول بازی کرتے ہیں۔ شوکت صدیقی پر پھبتی کستے ہیں۔ ادب کے یہ بونے جو ٹخنوں تک نہیں پہنچ سکتے، ادب کے ٹھانیدار بنے اتراتے ہیں، عوام کی بات کرتے ہیں۔ انہیں یہ پتہ نہیں کہ عوام اور ادب کا کیا رشتہ ہوتا ہے۔ بات انقلابی کرتے ہیں کام اسلام پسندوں کا ہے۔ مارکسی اصول ہم کو بتاتا ہے کہ دانشوروں کے بغیر نہ مارکسزم ہوتی ہے نہ لینن ازم اور نہ دانشوروں کے بغیر انقلاب ہوتا ہے۔ دانشوروں پر کبھی یہ قید نہیں لگائی گئی کہ وہ مزدور یا کسان بن جائیں۔ ان کا تعلق ادنیٰ بورژوا طبقے ہی سے رہتا ہے۔ ان کا یہ کردار برقرار رہتا ہے۔ وہ جب عملی طور پر حصہ لیتے ہیں تو انقلابی جدوجہد کا عملی حصہ بن جاتے ہیں۔ گورکی اور لوشن نے عملی جدوجہد میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن روس اور چین کے انقلاب میں ان کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ سوال رہن سہن اور گٹ اپ کا نہیں، خیالات اور نظریات کا ہے۔ خیالات اور نظریات کا محاسبہ ہوسکتا ہے افراد کا نہیں۔ یہ کام جماعت اسلامی کا ہے۔ جو "صالح مسلمان" مینوفیکچر کرتی ہے۔ ترقی پسندوں اور انقلاب پسندوں کا کام معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کی تبدیلی ہے۔ وہ معاشرے کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ جب معاشرہ تبدیل ہوتا ہے تو پیداواری رشتے تبدیل ہوتے ہیں، افراد تبدیل ہوتے ہیں۔ ادیب کا کام انقلابی خیالات اور نظریات کی تبلیغ ہے تاکہ نظریات اور افکار عوام کے ذہنوں میں جاگزیں ہوں، جڑ پکڑیں گرفت حاصل کریں تاکہ وہ خیالات اور نظریات کے مراحل طے کرکے مادی قوت بن جائیں۔ تاریخ کے ارتقاء میں جب یہ مرحلہ آتا ہے تو محنت کش عوام انقلابی نظریات سے مسلح ہوکر انقلابی قوت کی طرح ابھرتے ہیں۔ دانشور کا منصب انقلابی جدوجہد میں بہت اہم ہے۔ اصلاح پسندی اور گمراہ کن نعروں سے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔

مارکس ازم ہمیں یہی بتاتی ہے، لینن ازم ہمیں یہی بتاتی ہے، فکر ماؤزے تنگ ہمیں یہی بتاتی ہے کمبخت پڑھتے پڑھاتے ہیں نہیں ہلدی کی گرہ لے کر پنساری بن جاتے ہیں۔ اپنے احساس کمتری اور ذہنی افلاس کا ماتم گلڈ پر دشنام طرازی سے کرتے ہیں۔ گلڈ نے کسی ادیب سے کہا کہ کسی ایوب خان یا یحییٰ خان کی شان میں قصیدہ کہو، گلڈ نے کس سرمایہ دار اور وڈیرے کے حق میں ثنا خوانی کروائی اور کیا گلڈ ایسا اہم ادارہ ہے جو عوام کی جدوجہد کی راہ میں حائل ہوسکتا ہے۔ عوام کی ترقی اور جدوجہد کی راہ میں وہ ادارے حائل ہیں جن کا ذرائع پیداوار پر قبضہ ہے جو محنت کا استحصال کرتے ہیں محنت کشوں کا خون چوستے ہیں ——— اس کے برعکس گلڈ ایک فلاحی ادارہ ہے۔ یہ ادیبوں کی ایک قسم کی ٹریڈ یونین ہے۔ کام اس کا اہل قلم کے مفادات کا تحفظ ہے۔ ان کے لیے جدوجہد کرنا ہے اس سے کچھ ضرورت مند معذور ادیبوں کی مدد ہوجاتی ہے داغ مفارقت دے جانے والے اہل قلم کے پسماندگان کی مدد ہوجاتی ہے۔ کچھ ادبی انعامات ہیں جن سے ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ان میں تخلیق کی لگن پیدا ہوتی ہے۔ سال میں ایک آدھ بار ملک کے مختلف علاقوں اور مختلف زبانوں کے ادیبوں کا اجتماع ہوجاتا ہے۔ اہل قلم کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور سمجھنے سمجھانے کا موقع ملتا ہے سرکاری سرپرستی کا یہ عالم ہے کہ بارہ تیرہ سال میں ایسے جتنی سرکاری امداد ملی اس سے کہیں زیادہ سرکاری رقم الطاف گوہر اور ان کے بھائی تجمل حسین نے تھنکرز فورم پر خرچ کر دی۔ اس میں افرو ایشیائی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا گیا۔ چند روز کا میلہ لگا پھر اللہ اللہ خیر صلا۔ اس پر انگلی اٹھانے سے ادب کے یہ ٹھانیدار اور کوتوال کتراتے ہیں۔ نظریں جھکاتے ہیں۔ اس لوٹ کے مال میں ہرچند کہ انہیں کچھ نہیں ملا، مگر الطاف گوہر کے شرمندۂ احسان ہیں، زیر بار ہیں کچھ کہیں تو کس منہ سے کہیں۔ جمیل الدین عالی پر اتہام لگاتے ہیں دشنام طرازی کرتے ہیں اس لیے کہ وہ کمزور اور بے ضرر ہیں۔ آج یہ تیس مار خاں، ایوب خان اور یحییٰ خان کا دکھڑا روتے ہیں۔ کل کہاں تھے جو نوکریاں کرتے تھے نوکرشاہی کی جی حضوری کرتے تھے، اس کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔ پروگراموں کے لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشنوں میں دریوزہ گری کرتے تھے۔ اپنے طبقاتی تعصبات، تضادات اور احساس کمتری کے مارے ہوئے یہ بابو لوگ ایوان ادب میں جب نقب لگاتے ہیں اور میراثیوں کی طرح جھگڑ بازی کرتے ہیں تو یہ مصرعہ سنانے کو جی چاہتا ہے ؏

طبلے کو ذرا دیکھ ذرا ساز کی لے دیکھ۔

زندگی رہی تو آئندہ صحبتوں میں ان کی وجہ تسمیہ ان کا حدود اربعہ، منظر و پس منظر کے ساتھ، سباق و سیاق کے ساتھ اور شجرہ حسب و نسب کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

ہنزہ سے چاٹگام تک

راحت چوہدری

پولیس ہڑتال ختم ہو چکی ہے۔ اس ہڑتال کے خاتمہ کے ساتھ جہاں سازشی عناصر کی حوصلہ شکنی ہوئی وہاں نوکر شاہی کی فرعونیت پر بھی کاری ضرب لگی۔ گورنر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر کی ۸ ہر فروری کی موچی دروازہ کے جلسہ عام کی تقریر ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اس تقریر سے جہاں جاگیرداری اور سرمایہ داری کے ظالمانہ نظام کو سہارا دینے والی نوکر شاہی کی کمر ٹوٹی۔ وہاں ایک بار پھر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پیپلز پارٹی عوام کی جماعت ہے۔ اس جماعت کی جڑیں عوام میں بہت مضبوط ہیں۔ عوام کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری کے ظالمانہ نظام کے خاتمہ کی راہ میں جو بھی رکاوٹیں کھڑی کرے گا۔ عوام اسے کچل دیں گے

لاہور کے جلسہ عام میں گورنر مصطفےٰ کھر نے جب اپنی تقریر میں پولیس ہڑتال کا معاملہ عوامی عدالت میں پیش کیا قومی مفادات کے تحفظ کے لیے پیپلز پارٹی کے کارکنوں پیپلز گارڈ، رضاکار تنظیموں اور عوام کو پکارا تو صرف پنجاب ہی نہیں بلکہ اس عوامی محاسبہ کے خوف سے پورے مغربی پاکستان کے سازشی عنصر اور نوکر شاہی کے فرعون اپنے ناپاک عزائم سے باز آ گئے۔ کیونکہ ان سازشی عناصر کے مقابلہ کے لیے عوام پوری طاقت سے حرکت میں آ چکے تھے۔ پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی کو دوسرے صوبوں کی نسبت زیادہ ووٹ ملے تھے۔ اس صوبہ میں پاکستان پیپلز پارٹی ہر سطح پر اکثریتی جماعت ہے۔ پنجاب میں سازشی عناصر کو کچلنے کے لیے پیپلز پارٹی کے جیالے کارکن بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

گورنر پنجاب کی تقریر کا ریکارڈ جب ریڈیو پر نشر ہوا تو یہاں ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے قومی مفادات کے تحفظ کی خاطر گورنر کی اپیل پر امنِ عامہ کی سرگرمیوں میں حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کرنے کا یقین دلایا۔ میاں چنوں میں

میاں چنوں

عوامی محاسبہ کہیں زیادہ سخت ہوتا ہے

پاکستان پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنوں کی جو ٹیم سرگرم عمل ہے۔ گورنر پنجاب کی اپیل پر فوراً حرکت میں آ گئی۔ گو پورے ضلع ملتان میں پولیس ہڑتال کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میاں چنوں پولیس بھی معمول کے مطابق اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ چونکہ گورنر پنجاب کی اپیل پورے پنجاب کے لیے تھی اس لیے وقت مقررہ سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل پاکستان پیپلز پارٹی میاں چنوں کے مرکزی دفتر چیمہ ہاؤس میں پیپلز پارٹی کے کارکن، پیپلز گارڈ، سکولوں کے اسکاؤٹس شہری دفاع کے رضاکار اور قومی رضاکاروں کے تقریباً دو ہزار باوردی نوجوان جمع ہو گئے۔ ان رضاکار دستوں میں پیپلز گارڈ کے دستہ کی قیادت محمد شفیع بٹ، چوہدری محمد امین کمبوہ اور خاقان بابر خان کر رہے تھے۔ ایم سی ہائی اسکول کے اسکاؤٹوں کی قیادت ماسٹر محمد دین، محمد اشرف بلو اور ثنا اللہ راہی کر رہے تھے۔ مسلم یونین ہائی سکول کے اسکاؤٹ دستہ کی قیادت ہیڈ ماسٹر جناب امیر بخش بھٹی، محمد بابر اور محمد اختر خان کر رہے تھے۔

شہری دفاع کے رضاکار دستہ کی قیادت ریاض حسین چوہدری ڈویژنل وارڈن، ڈاکٹر امداد اللہ ڈپٹی وارڈن صوفی محمد موسیٰ ڈپٹی وارڈن، علی محمد بھیل ڈپٹی وارڈن، شیخ محمد ارشاد ڈپٹی وارڈن اور پیپلز لیبر فرنٹ کے صدر سعید اختر انصاری کر رہے تھے۔

مزدوروں کے گروپ کی قیادت اور قومی رضاکار دستہ کی قیادت کمپنی کمانڈر حاجی خوشی محمد، چوہدری محمد امین پلاٹون کمانڈر، شیخ منظر دین پلاٹون کمانڈر، بشیر احمد سیکشن کمانڈر چوہدری نیاز دین پلاٹون کمانڈر، شیخ محمد یوسف سیکشن کمانڈر رانا شاہد سیکشن کمانڈر، ڈاکٹر محمد افضل پلاٹون کمانڈر کر رہے تھے۔ تمام رضاکار تنظیموں کے نوجوانوں نے مشترکہ مارچ پاسٹ کیا جس کی سلامی قومی رضاکار کے کمپنی کمانڈر حاجی خوشی محمد نے لی۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی کے رہنما و رکن صوبائی اسمبلی ڈاکٹر محمد صادق نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کے ظالمانہ نظام کو ختم کر کے انصاف اور مساوات پر مبنی نظام لایا جا رہا ہے سرمایہ داری کے ظالمانہ نظام کو بچانے کے لیے سرمایہ داری اور نوکر شاہی کے فرعون مل کر عوام کے خلاف سازش کر رہے ہیں گورنر پنجاب ملک غلام مصطفےٰ کھر کی ہدایت پر آج ہم لوگ عوام کے خلاف جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی مشترکہ سازش کو ناکام بنانے کے لیے میدان میں آئے ہیں لیکن چونکہ پولیس نے ہڑتال ختم کر دی ہے۔ اب اس کا اعلان ہو چکا ہے۔ تاہم ہمیں چوکس رہنا چاہیئے کیونکہ پرانے اور فرسودہ نظام کی جگہ ایک نیا نظام آ رہا ہے ظلم کے دور پر کاری ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں لیکن بعض شرپسند عناصر حالات کی تبدیلی کو اپنانے کے بجائے عوام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں ان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ ایوب خان یا یحییٰ خان کا دور نہیں ہے۔ یہ عوام کی حکومت ہے۔ عوامی راج آ چکا ہے اب کسانوں، مزدوروں، طالب علموں، دانشوروں اور محنت کشوں کا دور ہے۔

پیپلز پارٹی کے جائنٹ سیکرٹری اور سول ڈیفنس تنظیم کے ڈپٹی وارڈن ڈاکٹر امداد اللہ نے اپنی تقریر میں کہا سرمایہ داروں کے حواری سیاست دان اور نوکر شاہی کے گماشتے آج کل یہ پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کے کارکن انتظامیہ میں مداخلت کر رہے ہیں حالانکہ پیپلز پارٹی کے کارکن قومی جذبہ کے تحت انتظامیہ سے پر خلوص تعاون کر رہے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ پیپلز پارٹی کے کارکن کسی غریب، کسان، مزدور اور محنت کش پر ظلم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ راشی افسر کو برداشت نہیں کر سکتے۔ پیپلز پارٹی نے غریب عوام سے جو وعدہ کیا ہے پارٹی کے کارکن غریب کی امداد کے لیے ظالموں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شہری دفاع کے ڈویژنل وارڈن ریاض حسین چوہدری اور کمپنی کمانڈر حاجی خوشی محمد

نے بھی خطاب کیا۔

پیپلز پارٹی کی مقامی شاخ کی اپیل پر شہر کی تمام رضا کار تنظیموں کے ارکان اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا قومی مقاصد کے لیے جمع ہونا ایک شاندار مثال ہے عوامی طاقت کا یہ مظاہرہ عوامی حکومت کے خلاف سازش کرنے والے عناصر کو یاد دلاتا رہے گا کہ عوام سب سے بڑی طاقت ہیں۔ جب عوامی محاسبہ زیادہ سخت ہوتا ہے تو عوام اس کا متبادل انتظام بھی کرتے ہیں۔

مزدوروں کی حالت قرونِ اولیٰ کے غلاموں سے بدتر ہے

عباس قیصر

بدین صوبہ سندھ کا ایک پسماندہ شہر ہے تیس ہزار آبادی کا یہ شہر وڈیرہ شاہی کی پرانی یادگار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب فرنگی لٹیروں نے سندھ پر قبضہ کیا تو اس نے یہاں ایک اسکول قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سلسلے میں پیروں، وڈیروں اور میروں سے مشورہ کیا گیا۔ ان لوگوں نے اسکول کے قیام کی مخالفت کی۔ وہ چاہتے تھے کہ عوام جاہل رہیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہو گئے تو پھر پیروں، وڈیروں اور میروں کے قدم کون چومے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ایٹمی دور میں جب انسان چاند کو تسخیر کر چکا ہے بدین میں جہالت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ گزشتہ بلدیاتی انتخابات کے دوران شہر کو چھ وارڈوں میں تقسیم کیا گیا تو ایک وارڈ ایسا بھی تھا جس میں سوائے ایک پیر کے کوئی شخص تعلیم یافتہ نہیں تھا حالانکہ اس وارڈ کی آبادی پانچ ہزار تھی۔

بدین میں چاول کے پانچ کارخانے ہیں، چھوٹے بڑے تجارتی ادارے ہیں۔ نجی ٹرانسپورٹ کمپنیاں ہیں یہاں مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کام کر رہی ہے۔ ان مزدوروں کی حالت قرونِ اولیٰ کے غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ لیبر قوانین کی سراسر پامالی کی جاتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ لیبر قوانین پر عمل کیوں نہیں کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ عام انتخابات کے دوران عوامی رہنما معراج محمد خاں نے یہاں کئی جلسوں سے خطاب کیا۔ محنت کشوں کے طبقاتی شعور کو اجاگر کیا۔ مزدوروں نے متحد ہونے کی کوشش کی۔ یونین کی ضرورت کو محسوس کیا لیکن مکّار اور عیّار سرمایہ داروں نے محنت کشوں میں میں اپنے ایجنٹ بھیج دیئے۔ جس کے نتیجہ میں جو یونینیں قائم ہوئیں وہ محنت کشوں کی نمائندہ نہیں ہیں بلکہ صرف اخباری بیانات تک محدود ہیں۔

محنت کشوں کے استحصال میں نوکر شاہی نے ہمیشہ سرمایہ داروں اور وڈیروں کی مدد کی۔ اب حالت یہ ہے کہ مزدوروں سے سولہ گھنٹے کام لیا جاتا ہے جس کا کوئی اوور ٹائم نہیں دیا جاتا۔ محنت کشوں کو ہفتہ واری چھٹی دینا تو درکنار، سرمایہ دار سال میں ایک چھٹی بھی نہیں دیتے۔ حد تو یہ ہے کہ گزشتہ یوم عاشورہ کے دن جب پورے پاکستان میں سرکاری چھٹی تھی، بدین کے سرمایہ داروں اور وڈیروں نے اپنے ملازمین کو چھٹی نہیں دی۔ اور پورے دن حسبِ معمول کام لیا۔

بہاولپور

راشن کارڈ نہیں

بنا۔ تاجروں اور

شکرقندی پر گزارہ

نمائندہ الفتح

بہاولپور ڈویژن میں اشیائے صرف کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ آٹا تو تقریباً نایاب ہو چکا ہے۔ راشن کی دکانوں سے جو آٹا ملتا ہے اس کا حصول بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کے علاوہ یہ آٹا انتہائی ناقص ہوتا ہے گرانی کی وجہ سے عوام میں بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے اس سلسلے میں گزشتہ دنوں پاکستان پیپلز پارٹی بہاولپور کے جنرل سیکرٹری موسیٰ سعید نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ عوام کے پاس راشن کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں سخت پریشانی اور دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ آٹے کی بجائے ڈپوؤں پر گندم تقسیم کی جائے کیونکہ آٹا نہایت ناقص ہوتا ہے جس سے مختلف امراض پیدا ہو رہے ہیں اس کے علاوہ آٹا کی روزانہ مقدار تین چھٹانک فی کس مقرر کی گئی ہے جو بہت کم ہے اس فی کس مقدار کو سوگنا کیا جائے موسیٰ سعید نے حکومت پر زور دیا کہ دیہی علاقوں کے بڑے بڑے زمینداروں سے جنہوں نے گندم کی ذخیرہ اندوزی کر لی ہے تمام گندم چھین لی جائے اور اسے مارکیٹ میں فروخت کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ہمیں مختلف دیہاتوں سے اطلاعات ملی ہیں کہ عوام گاجریں، شکرقندی، ساگ اور موٹے چاولوں پر گزارہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں ابھی تک راشن کارڈ جاری نہیں کیے گئے۔

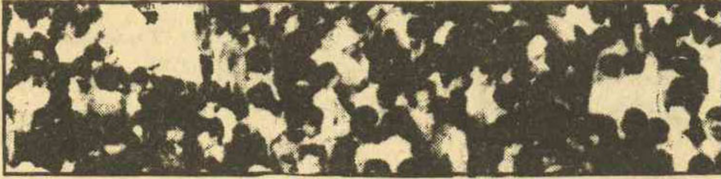
مظفرآباد

یہ حکومت عدلیہ کی آزادی سلب کر رہی ہے

نمائندہ الفتح

آزاد عدلیہ جمہوریت کی شرطِ اولین ہے۔ ہر مہذب معاشرے میں عدلیہ کے اختیارات کو وسیع سے وسیع تر کیا جاتا ہے کہ عدل اور انصاف قائم کیا جا سکے۔ تعزیراتِ ہند کے خالق انگریزوں کے زمانہ میں بھی ہندوستان کی عدلیہ کو کافی اختیارات حاصل تھے۔ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۹۱ کے تحت گرفتار ہونے والے شخص کی گرفتاری یا نظر بندی کو عدالتِ عالیہ میں چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ عدالتِ عالیہ نے حکومت کے خلاف فیصلہ دیا اور اس طرح اپنے وقار میں اضافہ کیا۔

لیکن آزاد کشمیر کی موجودہ حکومت جو جمہوریت کی نام لیوا ہے "اسلام پسند" ہے۔ عدلیہ کی آزادی سلب کرنے میں مصروف ہے۔ حال ہی میں حکومتِ آزاد کشمیر نے ایک آرڈی نینس کے ذریعے عدالتِ عالیہ کے اختیارات کو جو اسے زیرِ دفعہ ۴۹۱ ضابطہ فوجداری حاصل تھے بعض قسم کی نظر بندیوں کے بارے میں معطل کر دیئے۔ ایک اور آرڈی نینس کے ذریعے بعض قسم کے معاملات کے بارے میں اپیل کے اختیارات کو بھی معطل کر دیا گیا ہے۔ یہ آمرانہ اقدامات، عدلیہ کی آزادی کی پامالی ہنگامی حالات کا سہارا لے کر کی جا رہی ہے ان اقدامات کا عوام میں شدید ردِ عمل ہوا۔ سیاسی جماعتوں اور بار ایسوسی ایشنوں نے قرار دادیں پاس کیں اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ عدلیہ کی آزادی بحال کرے تاکہ عوام کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہو سکے لیکن ابھی تک حکومت نے عوامی احساسات اور خواہشات کا احترام نہیں کیا ہے۔



قارئین کہتے ہیں

رہتے ہیں پاکستان میں، روپیہ کہیں اور جمع کراتے ہیں

بعض سرمایہ دار اور صنعت کار صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے سے سخت برہم ہیں اور حکومت کے اس مستحسن اقدام کو ناکام بنانے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں۔ اسی قسم کی ایک سازش میں ڈالمیا کا ٹھیکیدار بھی شامل ہے۔ اور وہ بھی دوسرے صنعت کاروں کی طرح اس بات کا مدعی ہے کہ ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری اس کی لاکھوں کی مقروض ہے۔

میں مندرجہ ذیل حقائق آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس کے خلاف مؤثر کارروائی کرینگے۔

جب سے پاکستان بنا اس وقت سے مذکورہ شخص کنٹریکٹر کی حیثیت سے ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری کو مال سپلائی کرتا رہا ہے جس میں پتھر کی سپلائی، بوری کی سپلائی اور جپسم کی سپلائی شامل ہے۔

اس کے علاوہ شروع ہی سے ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری کی ڈیلرشپ اس کے پاس ہے جس میں وہ فیکٹری سے لاکھوں روپے کما چکا ہے۔

اس منافع بخش کاروبار کے علاوہ وہ فیکٹری کے باہر روئی اور مچھلی کا کاروبار کرتا ہے۔

اس کے علاوہ سیٹھ بھگوان سروپ نے اسے گود لیا تھا۔ وہ کراچی کا ایک بڑا سرمایہ دار اور صاحب جائیداد انسان تھا۔ اس کا انتقال ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ سیٹھ آنند کے انتقال کے بعد تمام کاروبار آنند سروپ نے سنبھال لیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس نے مبینہ طور پر اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ بھارت منتقل کر دیا۔ سیٹھ آنند کا باپ ضلع گڑگاؤں کا ایک غریب آدمی تھا۔ سیٹھ آنند کی شادی ہندوستان میں ہوئی۔ اور اس کے بیوی بچے ہندوستان کے باشندے ہیں اور آج بھی وہیں موجود ہیں۔ سیٹھ آنند کا یہ منصوبہ تھا کہ وہ یہاں سادہ زندگی گزارے اور اس کی دولت ہندوستان منتقل ہوتی رہے اور وہاں وہ کوئی کاروبار چلائے۔ اِس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ خود یہاں رہتا ہے اور پاکستان میں کمائی ہوئی دولت ہندوستان میں اپنی بیوی کے نام منتقل کرتا رہتا ہے۔ جہاں اس کی بیوی نے جبلپور اور دیگر مقامات پر مختلف کارخانے قائم کئے ہیں۔ اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے ہر سال ہندوستان جاتا ہے۔ اکثر چھ چھ ماہ تک ہندوستان میں مقیم رہتا لیکن یہاں اس کا کاروبار اس کے مسلمان ملازم باقاعدگی سے چلا رہے ہیں۔ اس ناجائز کاروبار کی آمدنی کے علاوہ جو اس نے ہندوستان منتقل کی اس کی سب سے بڑی آمدنی کا سلسلہ سیمنٹ کی بلیک مارکیٹنگ ہے۔ بلیک کی آمدنی جو تقریباً ۵ ہزار یومیہ تھی سیٹھ آنند حاصل کرتا تھا اور اسے ہندوستان منتقل کرتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً دس سال تک متواتر جاری رہا اور اب چالیس مقامی ڈیلر ایسے ہیں جنہوں نے گاڑیاں فروخت کر کے سیٹھ آنند کو روپیہ دیا اور جو اب بھی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ سیٹھ آنند کی موجودہ حالت یہ ہے کہ وہ یہاں ڈالمیا کے دیے ہوئے بنگلے میں رہتا ہے۔ ملک کے اتنے بڑے ٹھیکیدار کے پاس پاکستان کے کسی بنک میں کوئی روپیہ جمع نہیں ہے۔

حسین انور ڈرگ کالونی۔ ۵/۵۳۷

مضبوط معیشت کے بغیر پائیدار جمہوریت قائم نہیں ہو سکتی

پاکستان میں سابقہ حکومتوں پر جو تنقید ان کے خاتمے کے بعد کی گئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ صحافی حضرات جرأت مندی سے کام لیتے ہوئے ان تنقیدوں کو اُن کے دور ہی میں چھاپ دیتے۔ تاکہ عوام اُن کی جائز و ناجائز حرکتوں سے باخبر رہ سکتے پاکستان میں جو کھیل لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد کھیلا گیا۔ اس کے ذمہ دار پاکستانی عوام بالعموم اور حکمران ٹولہ بالخصوص ہیں۔

جمہوریت کا ڈھونگ خوب رچایا جا رہا ہے۔ لیکن پاکستان میں صحیح جمہوریت اس وقت قائم ہو سکتی ہے جبکہ ملک کی اقتصادی حالت اور اس کی صنعت مستحکم بنیادوں پر کھڑی ہو جائے۔ اس کے لئے ایک ایسی مستحکم حکومت کی ضرورت ہے جو پاکستان کی موجودہ بدحالی کو دور کر کے ترقی کی راہ پر گامزن کرے اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو یہ شعور دلا سکے کہ ملک کا نظام کس طرح جمہوری طریقوں سے چلایا جا سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جب تک ملک کی اقتصادی حالت بہتر نہیں ہو گی۔ جمہوریت بھی پاکستان میں ناکام ہو گی۔ چنانچہ صنعتی انقلاب اوّل اور جمہوریت دوم کے قول پر عمل کیا جائے۔

اے ایچ خان۔ کراچی

ہم انجمن ترقی پسند مصنفین سے تعاون کریں گے

ترقی پسند طالب علموں۔ ادیبوں۔ شاعروں۔ و صحافیوں کی نمائندہ تنظیم "بزم انجم" کے ایک اجلاس میں "انجمن ترقی پسند مصنفین" کو مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا گیا۔ اجلاس سے مزدور رہنما طارق مصطفےٰ کے علاوہ بزم کے اراکین فیاض وارثی۔ غیور محمد خان اور اقبال انجم نے بھی خطاب کیا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے "بزم انجم" کے بانی جناب انجم نے کہا کہ آنے

دن نئی نئی انجمنیں کچھ نہ کچھ کرنے کا عزم لے کر میدان میں آتی ہیں لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہیں۔ "انجمن ترقی پسند مصنفین" بھی کچھ کرنے کا عزم لیکر میدان میں آئی ہے۔ ہم اپنے مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

خالد انجم۔ کراچی

چلئے وہ ریگستان میں بس جائیں گے

آپ نے اور آپ کے مؤقر جریدے نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت میں آواز بلند کی ہے۔ آپ کی یہی ادا ہے جو ہمیشہ قدر کی نظروں سے دیکھی گئی ہے۔ مشرقی پاکستان میں غیر بنگالیوں پر مظالم کی داستان آپ نے سنی ہوگی۔ اُن کا جرم یہ ہے کہ وہ پاکستان کی محبت کے جذبے سے سرشار تھے۔ ہر خطرے کے باوجود انہوں نے پاکستان کو تباہ ہونے سے اور مشرقی بازو کو محفوظ رکھنے کی سعی کی۔ اسی پاکستان دوستی کے جرم پر آج وہ ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ـــــ اندرا جی کہتی ہیں کہ ان سابق ہندوستانیوں کو اب بھارت میں منتقل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ وہ پاکستانی ہیں ـــــ نام نہاد "بنگلہ دیش" کی حکومت کہتی ہے کہ "بنگلہ دیش" میں ان "غدار پاکستانیوں" کے لئے جگہ نہیں ہے ـــــ کیا ان پاکستانیوں کے لئے پاکستان میں بھی جگہ نہیں ہے ـــــ؟ غیر بنگالیوں کو بڑے منظم طور پر ہلاک کیا جا رہا ہے۔ ریڈ کراس والے ان غیر بنگالیوں کو وہاں سے مغربی پاکستان منتقل کرنے کو تیار ہے ـــــ ایسی حالت میں ہماری حکومت خاموش کیوں ہے؟ کیا وہ انہیں "پاکستان دوست" ہونے کے جرم میں صفحہ ہستی سے ختم ہوتا دیکھنا چاہتی ہے ـــــ؟ آخر حکومت کیوں نہیں انہیں وہاں سے یہاں لا رہی ہے۔ مزید خموشی ان بیچاروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔

آپ ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ حکومت سے کہیئے کہ وہ اُن مظلوموں کو مغربی پاکستان منتقل کرائے۔ یہ وہ عظیم محب وطن پاکستانی ہیں جو ہر برے وقت میں پاکستان کا ساتھ دیں گے۔ ایسے عظیم لوگوں کو یوں کسمپرسی کے عالم میں نہ مرنے دیجئے۔ آپ سے انسانیت کے نام پر درخواست ہے کہ آپ صدر بھٹو سے درخواست کیجئے کہ ان غیر بنگالیوں کو مغربی پاکستان منتقل کرائیں۔ ریڈ کراس کے آفر (OFFER) سے فائدہ اٹھائے ـــــ چلئے وہ کسی ریگستان میں بس جائیں گے ـــــ لیکن خدا کے لئے انہیں مغربی پاکستان منگوایئے ورنہ مکتی باہنی کے غنڈے انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دیں گے۔ چند لاکھ افراد کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں بنیں گے۔

عبدالغفار

جنرل رانی کے بیٹے سینما کے ٹکٹ بلیک کرتے ہیں

جنرل رانی کے بیٹوں نے آج کل گجرات میں ایک سینما ٹھیکہ پر لے رکھا ہے۔ وہ اب تک یحیٰی خانی دور کی مانند قانون کو اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھے ہیں۔ پچھلے دنوں جب مقامی سینما پر فلم دیکھنے کا پروگرام بنا تو دوستوں کے ساتھ جانا پڑا۔ جب بکنگ سے ٹکٹ لئے تو وہ ۲۵ پیسے فی ٹکٹ زائد وصول کر رہے تھے۔ ہم نے استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ سامنے مالک بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھ لیں۔ سامنے جنرل رانی کے ایک صاحبزادے کھڑے تھے۔ ہم نے اس بارے میں بات کی۔ تو وہ بڑی بے نیازی سے کہنے لگے۔ کہ اگر فلم دیکھنی ہے تو دیکھیں ٹکٹ اتنا ہی ہوگا۔"

گیٹ کیپر کو ٹکٹ دے کر اندر جانے لگے۔ تو اُس نے آدھے ٹکٹ پھاڑ کر واپس نہ کیے۔ ابھی کھڑے ہی تھے کہ ایک بکنگ کلرک آیا۔ اور وہ گیٹ کیپر سے اب تک جتنے ٹکٹ اکٹھے ہوئے تھے گن کر لے گیا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہی ٹکٹ بار بار استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ حکومت کا ٹیکس بچایا جا سکے۔ ٹیکس چوری اور ٹکٹ بلیک کرنے کی وارداتیں گجرات کے تمام سینماؤں پر روزانہ ہو رہی ہیں۔ عوامی حکومت کے دوران اس سلسلہ میں بارہا اخبارات میں بھی آیا۔ متعلقہ حکام سے بھی شکایات کی گئیں۔ مگر آج تک بدعنوان عناصر ان مذموم حرکات سے باز نہیں آئے اور نہ ہی حکومت نے کوئی سخت اقدام کیا ہے۔

طارق جاوید چوہدری۔ گجرات۔

بقیہ: بین الاقوامی تعلقات

طور پر بھارت کی پالیسی میں کوئی فیصلہ کن تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے اور شاید وہ وقتی طور پر برصغیر اور اردگرد کی ریاستوں کی "سرداری" پر قانع رہے گا۔

بہرحال اس اعلامیہ کا سب سے خوشگوار اثر تیسری دنیا کے ممالک پر پڑے گا۔ اب ان کے حوصلے اور بلند ہو جائیں گے۔ اور وہ پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ چین کی حمایت کر سکیں گے جو سامراجیوں کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے میں ان کی سب سے زیادہ اور بے لوث مدد کرتا ہے۔

امریکی سامراج اپنی سیاسی پالیسیوں میں جس قسم کی تدبیری تبدیلیاں کر رہا ہے وہ اس کے مُردے میں روح نہیں پھونک سکتیں۔ کیونکہ وہ دنیا کے موجودہ سیاسی حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ دنیا کا شعور بیسویں صدی میں سانس لے رہا ہے اور وہ اب کسی فریب میں آنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ امریکی سامراج بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی بصارت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں رعشہ آچلا ہے اور اس کی کمر ٹیڑھی ہوتی جا رہی ہے اب وہ معجون کے نئے نئے نسخے بنا کر اپنا شباب واپس نہیں لا سکتا

بقیہ: اداریہ

پر چلتے دیکھ کر رنجیدہ ہوں گے اور ان کے دکھ کا اندازہ لگانا مشکل ہو جائے گا۔

ان کی خواہش ہے کہ ان تیرہ سو سے زائد افسروں کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی جائیں۔ ان کو قوم دشمنی، عوام دشمنی اور قومی خزانے میں خیانت کرنے کے سنگین جرم کے تحت سرعام کوڑے لگائے جائیں۔ ان کے اثاثوں کی فہرست کو عوام کی عدالت میں پیش کیا جائے۔

ان کی جائیدادیں ضبط نہ ہوئیں اور انہیں سنگین سزائیں نہ دی گئیں تو اس کے بعد شاید اس سے بڑی فہرست تیار ہو۔ سوچنا یہ ہے کہ حکومت اور قوم کے لئے ان دونوں میں سے کون سی بات مفید ثابت ہوگی۔

بقیہ: ریلوے کی بدعنوانیاں

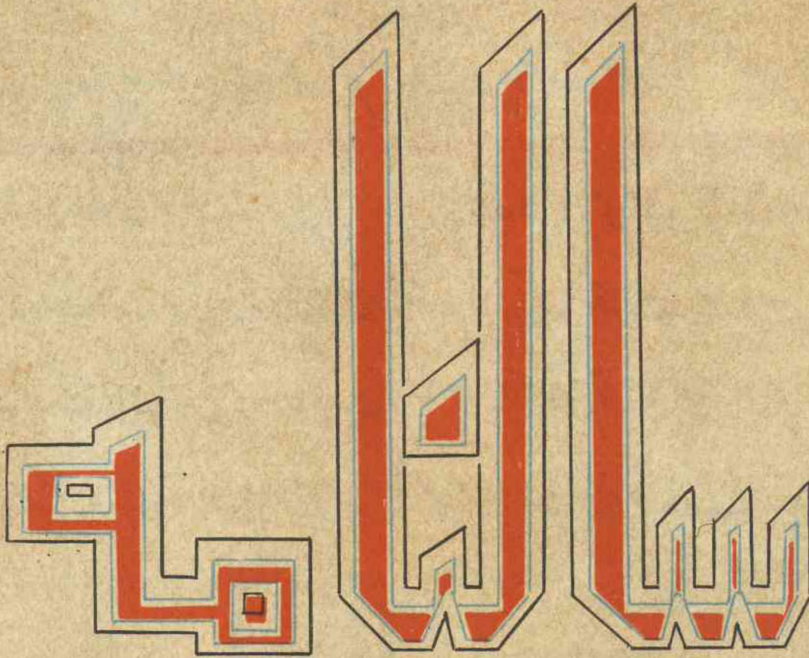
۱۴ اکتوبر کو ٹکٹ نمبر ۶۴۸۰۶۱۹ ملا۔ ایک دن کے فرق سے جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ۱۳۰۲ ٹکٹ صرف لانڈھی کے لئے فروخت ہوتے جب کہ نہ جانے یہ غلطی کب سے ہو رہی ہوگی۔ اور کب تک ہوتی رہیگی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اس درجہ سوم کے ٹکٹ گھر سے مغربی پاکستان کے "۹۴" اسٹیشنوں کے لئے ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں جب کہ صرف کراچی سے ۱۸ میل ٹریٹوں جن میں ریل کار، پسنجر ٹرین شامل ہیں روانہ ہوتی ہیں۔ کراچی شہر سے لانڈھی اور ملیر کینٹ سیکشن کے لئے ۳۱ لوکلیں دمر کلر شامل نہیں ہیں چلتی ہیں جب کہ ان گاڑیوں کو اپنے مقررہ ۱۵ اسٹیشنوں پر رکنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام گاڑیوں کے لئے اس ٹکٹ گھر سے جو بھی ٹکٹ مسافروں کو جاری کئے گئے ہوں گے ان سب پر "سن عیسوی" غلط چھپتا رہا اندازہ لگایئے کہ ہزاروں ٹکٹوں پر "سن عیسوی" غلط چھپتا رہا اور ریلوے کے افسران بالا خاموش تماشائی بنے رہے۔ نہ جانے اس سے کتنے مسافروں کو تکلیف ہوئی ہوگی۔

مقصد تحریر یہ نکلا کہ ریلوے آپ کی ہر طرح خدمت کے لئے تیار ہے۔ آپ چاہیں تو پرانی تاریخ کا ٹکٹ حاصل کر سکتے ہیں یا آنے والی تاریخ کا ٹکٹ لے لیں۔

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا بیباک ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۱۲ مئی ۱۹۷۲ء کو اپنی دوسری سالگرہ پر حسبِ روایت ایک اہم اور تاریخی



پیش کر رہا ہے

جس میں تمام عوام دوست اہلِ قلم، تمام عوامی مسائل پر
اپنے بے باکانہ اور بے لاگ خیالات کا اظہار کریں گے

صفحات :— ۲۰۰ قیمت :— ۲ روپے

ایجنٹ حضرات اور مشتہرین کرام نوٹ فرمالیں

جنرل مینجر ہفت روزہ الفتح ۷۰ ڈی نرسری کمرشیل ایریا کراچی ۲۹

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
16 - 23 MARCH, 1972

HAQQI OFFSET PRESS Karachi.